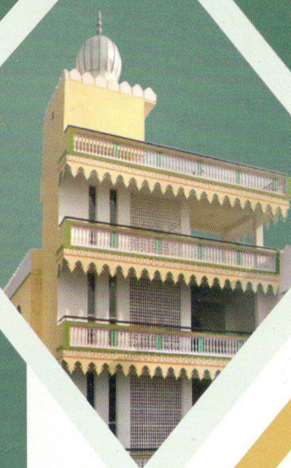
محرم الحرام ۱۴۴۵ھ AUGUST 2023

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۹ شمارہ نمبر ۴

محرم ۱۴۴۵ھ اگست ۲۰۲۳ء

زر تعاون

فی شمارہ ــــــــ ۳۰ روپے

سالانہ زرتعاون ــــــــ ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ــــــــ ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

◯ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

فتنۂ ارتداد اور اس کا تدارک

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

سوشل میڈیا پر اور اردو اخبارات میں کثرت سے یہ افسوس ناک خبر پڑھنے کو مل رہی ہے کہ اب کثیر تعداد میں مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ شادی کرکے اپنی دنیا و آخرت تباہ و برباد کررہی ہیں۔

ٹائمس آف انڈیا کی سروے رپورٹ کے مطابق گذشتہ تین سالوں میں چالیس ہزار سے زائد مسلم لڑکیوں نے غیر مسلموں سے تعلقات قائم کرکے ان سے شادی کرلی اور مرتد ہوگئیں۔

اِس قسم کی خبریں جو آئے دن اخبارات کی زینت بن رہی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے موجودہ دور میں مسلمان نہ صرف اپنا دین واخلاق بلکہ اپنا تشخص بھی کھوتا جارہا ہے، کوئی اسے مسلم دشمن عناصر کی اسلام دشمنی کی منصوبہ بند سازش بتارہا ہے تو کوئی شادی بیاہ کے سلسلہ میں غیر ضروری اور غیر اسلامی رسم ورواج جو معاشرہ کو تقریباً اپنی گرفت میں لے چکے ہیں، ان کو موردالزام ٹھہراتا ہے۔

لیکن اگر حقیقت بیں نظر سے دیکھا جائے تو آج کل جو لڑکیاں مرتد ہوکر غیر مسلم لڑکوں سے شادی کررہی ہیں، اس میں سراسر ان کے والدین کا قصور ہے، کہ وہ اپنی لڑکیوں کو دینی تعلیم کے بجائے عصری تعلیم دلاتے ہیں اور عصری تعلیم کے جتنے بھی ادارے ہیں، اکثر میں مخلوط تعلیم دی جاتی ہے، جس کی بنا پر بآسانی مسلمان لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں سے رابطہ کرلیتی ہیں، اور پھر مرتد ہوکر انہیں سے شادی کرلیتی ہیں۔

اسی طرح فیس بک اور واٹس ایپ کے ذریعہ بھی بہت سی مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں سے رابطہ کر کے شادی کررہی ہیں، اور والدین ہیں کہ اپنی لڑکیوں پر گہری نظر نہیں رکھتے ہیں کہ میری لڑکیاں فیس بک اور واٹس ایپ کا غلط استعمال تو نہیں کررہی ہیں۔ ان ہی وجوہات کی بنا اس طرح کے واقعات آئے روز کثرت سے پیش آرہے ہیں۔

ضرورت ہے کہ والدین اپنی لڑکیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر گہری نظر

رکھیں اور انہیں سوشل میڈیا سے دور رکھیں!

معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے اور معاشرہ کا استحکام اور اس کی صلاح وفلاح اور پاکیزگی کا مدار بھی افراد انسانی پر ہوتا ہے، جب معاشرہ کے افراد اسلامی اصولوں پر کاربند ہوں گے قرآنی تعلیمات کو ضابطۂ حیات بنائیں گے تو ایک پرامن اور صالح معاشرہ کا وجود ہوگا اور ہر طرف تہذیب وشائستگی اور ترقی واستحکام کا منظر ہوگا۔

معاشرتی استحکام اور انسانی اقدار کی رعایت کی سب سے بڑی ضمانت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ معاشرہ کی نئی نسل اور نئی پود کی بہتر تربیت کی جائے، والدین اپنے بچوں کی خصوصی نگہداشت رکھیں، لہو ولعب اور دوسری خرافات سے ہمیشہ ہر ممکن کوشش کے ساتھ انھیں بچائیں، انسان اپنے اقتصادی استحکام کی کوشش تو ضرور کرے لیکن اسے یہ بھی احساس ہونا چاہئے، کللکم راعٍ وکللکم مسئول عن رعیتہ (بخاری ۱/۱۲۲) کہ اس سے اپنے ماتحت افراد کے بارے میں بھی بازپرس ہوگی۔

خدا نے جب والدین کو اولاد کی زندگی کا واسطہ بنایا ہے تو وہ بالقصد اس کے نقش زندگی کے مٹانے کا سبب نہ بنیں بلکہ ان کی حیات کی تکمیل اور ان کی نشو ونما کے وہ تمام ذرائع مہیا کریں جوان کی قوت و استطاعت کو مزید جلا بخشیں، ایسی فضا ہموار کریں جس میں پل کر اسلاف واکابر کی اقدار کے پاسدار بن سکیں اور معاشرہ کے بہترین افراد شمار ہوسکیں، اس سلسلہ کی واضح رہنمائی صرف اور صرف مذہب اسلام میں ملتی ہے، دیگر ادیان ومذاہب کے تعلیمی دفاتر اس اہم اور بنیادی رہنمائی سے خالی ہیں۔

بڑے چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں اور چھوٹے بڑوں کی تعظیم اور ادب ولحاظ کریں، اگر یہ ترازو ٹھیک اور سیدھی رہے تو ہر انسانی جماعت چھوٹوں، بڑوں، افسروں، ماتحتوں آقاؤں نوکروں، بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان کسی قسم کی ناگواری اور آزردگی پیدا نہ ہو اور پھر ایک خوشحال صحتمند اور متمدن معاشرہ بنے۔

اس ضابطہ کے تحت انسان کا سب سے پہلا سابقہ اپنی اولاد سے پڑتا ہے، جس پر شفقت وترحم کو معاشرہ کی استواری اور تمدن کی بنیاد قرار دیا گیا ہے، والدین اپنے گلشن ہستی کے ان نوخیز پھولوں کے ساتھ رحمت ورافت اور شفقت ومروت کا معاملہ اگر نہ برتیں، ان کے لیے بہترین ماحول اور اچھی فضاء نہ بنائیں تو

پھر زمانہ کی بادسموم ان کی نوخیزی چھین لیتی ہے، اور یہ پھول سر کا تاج بننے کے بجائے پیروں سے روندے جاتے ہیں۔

والدین کی سب سے پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی بہترین دینی تعلیم کا انتظام کریں اور ان پر بھر پور نظر رکھیں اس لیے کہ اولاد، تربیت کے سلسلہ میں سب سے پہلا نقش والدین ہی کا قبول کرتی ہے اسی مضمون کی طرف حدیث پاک میں رہنمائی کی گئی ہے۔

کل مولود یولد علی الفطرة فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ (بخاری ۱/۱۸۵)

یعنی اولاد کی تعلیم وتربیت میں والدین کا کلیدی کردار ہوتا ہے، پیدائش سے لے کر سن شعور تک پہنچنے تک والدین کو بچوں کے سلسلہ میں اسلام نے جو تعلیمات فراہم کی ہیں ان سب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر اولاد کی تربیت میں کوئی کمی رہ جائے گی تو مستقبل میں صرف والدین ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لیے بڑے نقصان وخسران کی بات ہوتی ہے۔

قرآنی مکاتب میں اپنے بچوں کو بھیجا جائے تاکہ تعلیم کے اعتبار سے جو سب سے پہلا نقش ان کے ذہنوں پر ابھرے وہ قرآنی آیات کا ہو، پھر اس کی روحانی برکات بچوں کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوں گی، بزرگان دین اور امت کے مصلح حضرات کے حالات، اسلام اور دین کیلیے ان کی مجاہدانہ کوششوں کے واقعات سنائے جائیں تاکہ اسلام کی قدر وقیمت ان کے دلوں میں بیٹھے، اسلامی احکامات کی عملی مشق کرائی جائے ،نمازوں کی تاکید، بڑوں کا ادب و احترام انہیں سکھایا جائے تاکہ وہ اسلامی آداب سے آگاہ ہوسکیں۔

افسوس ہے کہ آج مغربی دنیا کی چمک نے ہماری آنکھوں کو اس قدر خیرہ کردیا ہے کہ اپنی تہذیب کی خوبیاں نظروں سے اوجھل ہوگئی ہیں، مغربی تمدن اور یورپ کی تہذیب ہی کو ہم اپنے لیے بھی خوب اور بہتر سمجھنے لگے، اور اسی سمت اپنے گلستان حیات کے نودمیدہ پھولوں کو بھی متوجہ کررہے ہیں۔ یاد رہے مغرب کی ان مسموم ہواؤں سے ان پھولوں پر تازگی ہرگز ہرگز نہیں آسکتی بلکہ پژمردگی ہی آئے گی اور اس کا روزانہ کا مشاہدہ ہے۔

ارتداد کے بڑھتے ہوئے اس فتنہ کو اگر دشمنان اسلام منصوبہ بند سازش کا حصہ کہا جائے، یا کسی

مخصوص مذہب یا تہذیب وتمدن کی بالا دستی باور کیا جائے ، بہر حال اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیت لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا یعنی مشرکین اور یہود مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں ، یہ دشمنان اسلام ہر وقت اور ہر آن اسی سوچ اور فکر میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں سے ان کا دینی امتیاز اور ملی تشخص چھین لیں اور ان پر اپنا رنگ چڑھا دیں تا کہ یہ صرف اور صرف نام کے مسلمان رہ جائیں ، اسلام اور ایمان کی روح سے خالی ہوجائیں ، وہ مسلمانوں سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ وہ انھیں کا اتباع کریں ، اور یہ باور کراتے ہیں کہ اسی میں ان کی فلاح ونجات اور کامیابی و کامرانی ہے ، لیکن دشمنان اسلام شاید یہ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کا مطمح نظر دنیاوی فلاح وترقی ہی صرف نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود آخرت کی کامیابی اور وہاں کی کامرانی ہے اور یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کے بتائے ہوئے دستور وقانون کو عمل میں لا کر ہی ہوسکتا ہے۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کا دینی فریضہ بنتا ہے کہ وہ اپنے دین میں اور پختہ تر ہوجائیں ، اغیار کے پیش کردہ نظام اور ان کی ظاہری چمک دمک سے ہرگز دھوکہ نہ کھائیں اس لئے کہ قرآن میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: قُلْ اِنَّ هُدَى اللهِ هُوَ الْهُدىٰ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَائَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلاَ نَصِيْرٍ (تو کہہ دے جو راہ اللہ بتلادے وہی سیدھی راہ ہے اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی ، بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار) یعنی ان مشرکین ویہود کو دین حق سے کوئی سروکار نہیں انھیں تو بس اپنا ملی مفاد ہی مقصود ہے اور اسی کے لئے یہ تمام تر کوششیں ہیں ، اس لئے ضروری ہے کہ آج مسلمان ان کی فریب کاریوں کو محسوس کریں اور اللہ کے عطا کردہ نظام یعنی اسلام اور قرآن کو ہی اپنے لئے لائحۂ عمل بنائیں اسی میں ہی پوری امت کی فلاح ونجات ہے۔

ماهنامه مظاهر علوم سهارنپور: تبلیغِ دین ، اشاعتِ اسلام اور اصلاحِ معاشرہ کی ایک عظیم تحریک ہے ، لہٰذا خود بھی اس کے ممبر بنیں اور دوسروں کو بھی ممبر بنا کر اس تحریک سے جوڑیں۔

درسِ قرآن

حرام کی نحوست

مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری استاذ تفسیر مظاہر علوم سہارنپور

یٰاَیھا الذین آمَنُوا لاتَأکُلُوا اَمْوَالَکُم بَیْنَکُم بَالبَاطِل الآان تَکُونَ تِجارۃً عَن تَراضٍ مِّنْکُم قف وَ لاتَقتُلُوا اَنْفُسَکُم اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُم رَحِیْماً O (النساء ۲۹)

تشریح وتوضیح:

آیت شریفہ میں امت کو دو ہدایتیں دی گئی ہیں۔(۱) باطل طریقے پر دوسرے کا مال نہ کھاؤ، مال مسلم کا ہو، خواہ کافر ذمی کا، اس میں کوئی تفریق وتحدید نہیں، حرام ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

آیت شریفہ میں حرام کھانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ کھانا کسی چیز سے لذت گیری کا اہم جز ہوتا ہے، مقصد تو دوسرے کے مال کو حرام طریقہ سے حاصل کرنے اور اپنے قبضہ وتصرف اور استعمال میں لانے سے منع کرنا ہے۔

(۲) قتل نفس سے منع کرنا ہے۔

اکل حرام کی نحوستیں:

جس طرح حلال کھانے کی بڑی برکتیں ہیں اسی طرح حرام کھانے کی بھی بہت سی نحوستیں ہیں۔

(۱) اعمال صالحہ کی توفیق نہیں ملتی (۲) اگر کرے بھی تو حلاوت نصیب نہیں ہوتی (۳) اعمال قبول نہیں ہوتے (۴) دعا قبول نہیں ہوتی (۵) مال میں برکت نہیں رہتی (۶) حرام سے اعمال صالحہ کے بجائے برے اعمال کا داعیہ پیدا ہوتا ہے (۷) حرام کھانے کا اولاد پر برا اثر پڑتا ہے (۸) حرام جس راستے سے آتا ہے اسی راستے سے نکل جاتا ہے (۹) حرام کھانے والا جنت میں نہیں جائے گا (۱۰) حرام سے پلنے والے گوشت کے لیے جہنم ہی لائق وسزاوار ہے (۱۱) حرام کھانے والے سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ناراض ہیں۔

مال حرام غلط مصرف میں:

دیکھنے میں آیا ہے کہ جو مال غلط طریق پر کمایا جاتا ہے وہ غلط ہی مصرف میں خرچ ہوتا ہے، جو جائز طریق پر کمایا جاتا ہے وہ مقدار میں خواہ تھوڑا ہو مگر جائز راستہ میں خرچ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ محض مال کے مصرف کو دیکھ کر کہ کہاں خرچ کیا جارہا ہے اس کے مدخل کا پتہ چلالیتا ہوں کہ یہ آیا کہاں سے ہے، جب برے راستے میں جارہا ہے تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ کمانے میں ضرور کوئی ناجائز صورت پیدا ہوئی ہے اس لیے برے مصرف میں گیا، اگر خالص حلال کی کمائی ہوتی تو برے مصرف میں نہ جاتا۔

حضرات صحابہ کی احتیاط:

حلال وحرام اور جائز و ناجائز میں تمیز نہ کرنا روح ایمانی کی موت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سلسلہ کی تعلیمات و ہدایات نے صحابہ کرام کی زندگیوں اور ان کے دلوں پر کیا اثر ڈالا تھا۔ اس کا اندازان دو واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔

(۱) صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی، آپ نے اس میں سے کچھ کھالیا، اس کے بعد اس غلام نے بتایا کہ یہ چیز مجھے اس طرح حاصل ہوئی کہ اسلام کے دور سے پہلے زمانہ جاہلیت کے ایک آدمی کو میں نے اپنے کو کاہن ظاہر کرکے دھوکہ دیا تھا اور اس کو کچھ بتلا دیا تھا جیسے کہ کاہن لوگ بتلادیا کرتے تھے، تو آج وہ آدمی ملا اور اس نے مجھے اس کے حساب میں کھانے کی یہ چیز دی، حضرت ابوبکر کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کرتے کی اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب نکال دیا۔

وعن عائشة قالت، كان لابى بكر رضي الله عنه غلام يخرج له الخراج، فكان ابو بكر يأكل من خراجه، فجاء يوما بشيء، فأكل منه ابو بكر، فقال له الغلام :تدرى ما هذا؟ فقال ابو بكر : وما هو؟ قال كنت تكهنت لانسان فى الجاهلية، وما أحسن الكهانة إلا أنى خدعته، فلقينى فأعطانى بذلك فهذا الذى أكلت منه، قالت فادخل ابو بكر يده، فقاء كل شيء فى بطنه۔ رواه البخارى ۲/۵۴۲۔ (جمع الفوائد ۲/۱۹۳)

(۲) اسی طرح امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص

نے حضرت عمر کی خدمت میں دودھ پیش کیا آپ نے اس کو قبول فرمالیا، اور پی لیا، آپ نے اس آدمی سے پوچھا کہ دودھ تم کہاں سے لائے؟ اس نے کہا کہ فلاں گھاٹ کے پاس سے گذر رہا تھا وہاں زکوۃ کے جانور، اونٹنیاں، بکریاں وغیرہ تھیں لوگ ان کا دودھ دوہ رہے تھے۔ انھوں نے مجھے بھی دیا میں نے لے لیا۔ یہ وہی دودھ تھا حضرت عمرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کی طرح حلق میں انگلی ڈال کے آپ نے بھی قے کردی اور اس دودھ کو اسی طرح نکال دیا۔ (بیہقی ۷/ ۱۴)

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تم افضل عبادت سے غافل ہو جس کا نام حرام سے بچنا ہے۔

وقالت عائشة انكم لتغفلون عن افضل العبادة هو الورع۔ (ابن ابی الدنیا کتاب الورع)

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم نماز پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ، اور روزہ رکھتے رکھتے چلہ کمان کی تان کی طرح دبلے ہوجاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال قبول نہ کرے گا جب تک کہ حرام سے نہ بچو گے۔ (احیاء العلوم ۲/ ۸۶)

۳۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حلال کمائی کا حساب دینا ہے حرام کمائی کی سزا بھگتنی ہے اور شبہ کے مال میں سراسر نقصان ہے۔ **ان الدنیا حلالها حساب و حرامها عذاب و شبهتها عقاب**

۴۔ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی اطاعت میں حرام مال خرچ کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنا کپڑا پیشاب سے پاک کرے حالانکہ کپڑا پاک پانی کے علاوہ پاک نہیں ہوتا، اسی طرح گناہوں کو مال حلال کے علاوہ اور چیز دور نہیں کرتی۔

قال سفيان ثوری رحمه الله من انفق من الحرام فی طاعة الله كان كمن طهر الثوب النجس بالبول والثوب النجس لايطهره الا الماء والذنب لايكفر الا الحلال۔

اور سہل تستری فرماتے ہیں کہ جو شخص مال حرام کھاتا ہے اس کے اعضاء خواہ مخواہ نافرمان ہوجاتے ہیں اس کو خبر ہو یا نہ ہو اور جس کی غذا حلال ہوتی ہے اس کے اعضاء اطاعت کرتے ہیں اور اس کو خیرات کی توفیق ہوتی ہے۔

وقال سهيل رحمه الله من اكل الحرام عصت جوارحه شاء أم أبى علم او لم يعلم ومن كانت طعمته حلالاً اطاعته جوارحه و وفقت للخيرات۔ (۲/ ۸۶، احیاء العلوم)

پیغام:

دنیا کی چیزوں کا رنگ بھی مختلف، لذت ومزہ بھی الگ، جسامت وقدامت بھی جدا، کوئی تکونا، کوئی چوکور، کوئی ٹھنڈا، کوئی گرم، تو کوئی تر گرم، کسی میں نفع تو کسی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور نظام کائنات

کے تحت نقصان وضرور بھی موجود ہے (اوراس میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں، ہزار ہا مصلحتیں مستور و پوشیدہ ہیں۔ انسان کم فہمی کی بناء پر اس کا ادراک نہیں کرسکتا (و ما او تیتم من العلم الا قلیلا) البتہ حاذق طبیب، فن کا ماہر حکیم، تجربہ کار ڈاکٹر کو کسی درجہ میں اس کا شعور ہوتا ہے)۔

ایسی چیزیں اگر معدہ میں پہنچ جائیں تو معدہ بھی خراب، رگوں اور اعصاب کے ذریعہ تمام بدن کو پہنچنے والا خون بھی فاسد ہوجاتا ہے (**المعدۃ حوض البدن و العروق الیھا واردۃ فاذا صحت المعدۃ صحت العروق بالصحۃ و اذا سقمت صدرت بالسقم**—احیاء ۲/ ۸۵)۔

اسی لیے معالج تندرستی کی بقا اور جسمانی صحت کی حفاظت کی خاطر اپنے مریضوں کو ایسی چیزوں کے استعمال کرنے سے منع کردیتا ہے، اس کے منع کرنے کو شفقت، مشورہ کو اہمیت اور اس کی تجویز کو قابل قدر گردانا جاتا ہے۔

اسی طرح سے مال حاصل کرنے کے طریقے جائز بھی ہیں ناجائز بھی، صحیح بھی ہیں غلط بھی، جن طریقوں میں بندہ کا دنیوی و اخروی نقصان تھا، دانا، بینا، حکیمِ مطلق، اللہ تعالیٰ نے ان کو ممنوع قرار دے کر حرام کردیا ہے اور اسی میں بندہ کا فائدہ ہے کیونکہ جس طرح نقصان دہ چیزیں کھانے سے معدہ خراب اور صحت برباد اور فاسد خون بنتا ہے۔

اسی طرح حرام لقمے کھانے سے دنیا بھی برباد کہ نیک عمل کی توفیق نہیں ہوتی، کیونکہ لقمہ تخم اور بیج کا درجہ رکھتا ہے اور بیج جیسا ہوتا ہے پھل، پھول، پودے، درخت بھی ویسے ہی پیدا ہوتے ہیں تو حرام لقمے اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کو آدمی خود ہی سوچ لے، سمجھ لے!

اور آخرت بھی برباد کیونکہ وہاں تو حلال مال کے بارے میں متعدد سوالات کے جوابات دینے ہیں اور وہ بھی قہار، جبار آقا کے سامنے۔!!!!!!!

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

انوارِ حدیث

خوف ورجاء

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری

استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لو يَعلم المؤمنُ ما عند الله مِن العقوبة ما طمع بجنته أحد ولو يعلم الكافر ما عند الله من الرحمة ما قنط من جنته أحدٌ۔

(رواہ مسلم ۲/۹۵۶)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مومن اس سزا اورعذاب کو جان لے جو اللہ کے یہاں ہے تو کوئی اس کی جنت کی طمع نہ کرے گا اور اگر کافر اس رحمت کو جان لے جو اللہ کے یہاں ہے تو اس کی جنت سے کوئی مایوس نہیں ہوگا۔

قرآن وحدیث کی بہت سی نصوص میں اللہ سے خوف کا مضمون بیان کیا گیا ہے، اور خوف کا مطلب ہے ناگوار اور ناپسندیدہ چیز کے پیش آنے یا محبوب چیز کے فوت ہوجانے کی وجہ سے دل کا گھبرا جانا، مثلاً بندہ جب اپنی کوتاہیوں، گناہوں اور نافرمانیوں کی طرف نظر کرتا ہے اور ان کے بارے میں سوچتا ہے اور دوسری طرف قرآن وحدیث میں وارد ان باتوں کی طرف نظر کرتا ہے اور ان کے بارے میں سوچتا ہے جن میں اللہ کے نافرمانوں اور مجرموں کی دنیا کے اندر تباہی وبربادی کی داستاں اور ان پر نازل ہونے والے عبرتناک عذاب کا بیان ہے اور ساتھ ہی آخرت میں دردناک عذاب اور جہنم کا وعدہ ہے، ان باتوں میں غور وفکر کرنے سے بندے کے دل میں خوف اور ڈر پیدا ہوتا ہے۔

اور اسی طرح قرآن وحدیث کی بہت سی نصوص میں اللہ سے رجاء (امید) کا مضمون وارد ہوا ہے، یہ ''رجاء'' خوف کی ضد ہے، رجاء کا مطلب ہے خیر اور بھلی چیز کے جلد پیش آنے کی امید رکھنا، اور مستقبل میں کسی محبوب اور پسندیدہ چیز کے ساتھ دل کو وابستہ کرنا، چناں چہ بندہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر نظر کرتا ہے جن میں اللہ کی رحمت ومغفرت کی وسعت اور اپنے بندوں سے اس کی محبت اور پیار کا ذکر ہے تو بندے کے اندر امید کی شمع روشن ہوجاتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: قُلْ

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لاَ تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہ ھو الغَفُوْرُ الرَّحِیْم۔ (الزمر ۵۳)

آپ فرما دیجئے اے میرے وہ بندے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، یقینا اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے، بے شک وہ بہت زیادہ معاف کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

بہر حال خوف کی نصوص میں غور وفکر کا نتیجہ اللہ کی نافرمانی، معصیت اور مخالفت کو چھوڑنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، جب کہ ''رجاء'' یعنی امید نیک عمل کے شوق ورغبت کا ذریعہ بنتی ہے، اس لیے کہ امید ہی کی بنا پر انسان کوئی کام کرتا ہے، اور یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ نیک عمل کیے بغیر ثواب کی آرزو اور تمنا کرنا ''اُمْنِیَہ'' کہلاتا ہے جو ایک مذموم صفت ہے اور اس کا رجاء سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین لمحمد بن علان ۲/ ۲۳۱و۲۴۹)

مذکورہ بالا حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی پیغام دیا گیا ہے کہ بندے کی حالت خوف ورجاء کے مابین ہونی چاہئے، اسی بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اگر مومنوں کو اس عذاب وعقاب کا علم ہوجائے جو اللہ کے پاس ہے تو کوئی بھی مومن اس کی جنت کی خواہش اور توقع نہیں کرے گا چہ جائے کہ کفار اس کی طمع کریں، کیوں کہ صرف اللہ کے عذاب وعقاب کا تصور اللہ کی رحمت سے مایوسی کا سبب بنے گا، اور حدیث شریف میں اس کے ذریعے اللہ کے عذاب کی کثرت کو بیان کیا گیا ہے تا کہ کوئی مومن اپنی طاعت اور نیکی سے دھوکہ نہ کھائے یا اللہ کی رحمت پر بھروسہ کرکے مطمئن نہ رہے، اسی طرح اگر کفار کو اس رحمت کا علم ہوجائے جو اللہ کے پاس ہے تو اس کی جنت سے کوئی کافر مایوس نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح ۵/ ۲۳۷۲ رقم الحدیث ۲۳۶۷)

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے: **عن عبد اللہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الجنۃُ أقربُ إلی أحدِکم من شِراکِ نَعلِہ والنارُ مثلُ ذلک۔** (صحیح البخاری ۲/ ۹۶۰)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت تم میں سے ہر کسی سے اس کے چپل کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے اور جہنم بھی اسی کے مانند ہے۔

یعنی طاعت جنت میں پہونچانے والی ہے تو معصیت جہنم میں، اس لیے کبھی مطمئن نہ ہوجائے اور

کسی نیکی کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑے کہ نہ جانے وہی اللہ کی رحمت کا سبب بن جائے اور کسی معصیت کو بھی معمولی نہ سمجھے کہ نہ جانے وہی اللہ کے غضب کا باعث بن جائے۔

بیماری اور موت کے وقت رجاء کا غلبہ

عن أنس أن النبیَّ صلی اللہُ علیه وسلَّم دَخَلَ علی شَاب وهوبالموتِ فقال کیف تجِدُک،قال واللہِ یا رسولَ اللہِ اِنِی أرجُو اللہَ وإنِّیْ أخاف ذنوبي، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :لا یجتمعانِ في قلب عبدٍ في مِثلِ هذا الموطِنِ إلاَّ أعطاه اللہُ ما یَرْجُو وآمَنَه مِمَّا یخافُ۔(رواہ الترمذی ۱/ ۱۹۲وقال: غریب،وابن ماجہ ص ۳۱۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس گئے اس حال میں کہ وہ سکرات موت میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کررہے ہو؟ (اچھا یا مغموم، یا یہ مطلب کہ دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہوتے وقت اپنے دل اور نفس کو کیسا پارہے ہو؟ اللہ کی رحمت کا امیدوار یا اللہ کے غضب سے خائف؟) اس نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول! بخدا میں اللہ کی رحمت کی امید کررہا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر رہا ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جیسے موقع پر (یعنی موت کے قریب ہونے کے وقت میں) کسی بندے کے دل میں یہ دو باتیں جمع نہیں ہوتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ اسے (اپنی اس رحمت سے) نوازتا ہے جس کی وہ امید کرتا ہے، اور اسے (عفو ودرگذر کے ذریعے اس عذاب سے) امن عطا فرمادیتا ہے جس کا اسے خوف اور ڈر رہوتا ہے۔(مرقاۃ ۴/ ۶۹—۷۰)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بیماری کی حالت میں اور موت کے قریب بندے پر رجاء یعنی اللہ کی رحمت کی امید غالب ہونی چاہئے اور صحت وتن درستی کے زمانے میں خوف اور رجاء دونوں یکساں پائے جائیں تاکہ خوف اس کو اللہ کی معصیت اور مخالفت سے باز رکھے اور رجاء (امید) نیک عمل کرنے کی ترغیب وتحریک پیدا کرے۔(دلیل الفالحین ۲/ ۲۹۰)

اور مہلّب فرماتے ہیں کہ نیک اور صالح آدمی کے لیے بھی اللہ کا خوف وخشیت ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ایک گنہ گار تائب کے لیے ضروری ہے، نیک آدمی کو اس کی نیکی مطمئن نہ کردے اور گنہ گار کو اس کا گناہ مایوسی میں نہ ڈالے، بلکہ ہر ایک کو خوف ورجاء والا ہونا چاہئے۔(شرح صحیح البخاری لابن بطال ۱/ ۷۳)

دعوت فکر

کام یابی کی کلید

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

طوفان اس لیے آتے ہیں کہ اپنی تباہ خیزیوں کے ساتھ گذر جائیں، موجیں اس لیے متلاطم ہوتی ہیں کہ ساحل کو روند کر واپس چلی جائیں، آتش فشاں اس لیے پھوٹتے ہیں کہ زمین کے سینہ میں جو لاوے چھپے ہوئے ہیں وہ باہر آ کر ساکت و جامد ہو جائیں، ان کی ہلاکت خیزیاں اور تخریب انگیزیاں اتنی شدید ہوتی ہیں کہ لگتا ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ ان کے پنجہ استبداد سے بچ نہیں سکے گا، لیکن ان کو ثبات و دوام حاصل نہیں ہوتا۔

انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی میں بھی ایسے طوفان اٹھتے ہیں کہ جس سے دل لرزنے اور قدم ڈگمگانے لگتے ہیں، لیکن اصل میں یہ اس کے لیے آزمائش کے لمحات ہیں، اگر وہ کچھ دیر اس میں استقامت کا ثبوت دے، کم ہمتی سے دو چار نہ ہو، جذبات سے مغلوب نہ ہو اور رد عمل کی نفسیات میں مبتلا ہو کر کوئی غیر دانش مندانہ اقدام نہ کر بیٹھے، تو یہی مصیبت اس کے لیے راحت کا مقدمہ اور یہ وقتی پستی اس کے لیے سر بلندی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

مؤمن کو قرآن نے ایسے مواقع پر دو باتوں کا حکم دیا ہے، صبر اور صلوٰۃ: صبر کیا ہے؟ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی عزیز و قریب کی موت پر رونے دھونے سے اجتناب کا نام ''صبر'' ہے، لیکن حقیقت میں صبر کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ہے، صبر کے معنی برداشت کرنے کے ہیں، قوت برداشت بہت بڑا جوہر ہے اور اس قوت سے محرومی بہت بڑا عیب ہے، جس آدمی میں قوت برداشت ہوتی ہے، اس میں تدبیر کی صلاحیت ہوتی ہے اور وہ مخالف سازشوں سے نمٹنے کی مؤثر کارروائی کر سکتا ہے، انبیا کو چوں کہ سب سے زیادہ مخالف حالات سے گزرنا پڑا ہے، اس لیے ان میں حلم و بردباری اور مخالفت کو سہنے کی صلاحیت من جانب اللہ سب سے زیادہ ودیعت ہوتی ہے، میرا منشا یہ نہیں ہے کہ صبر کا

مطلب بزدلی اختیار کرنا اور حوصلہ ہار جانا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ حکمت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا نہیں چاہیے اور اپنے جذبات کو بے محل خرچ کرنے سے بچنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں قدم قدم پر اس کی مثالیں ملتی ہیں، صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اہل مکہ کی جانب سے ایک جتھے نے مسلمانوں پر حملہ کیا، جو کم وبیش چالیس افراد پر مشتمل تھا، ظاہر ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کے جان کے درپے ہو کر حملہ آور ہوئے تھے اور ان کی حقیقی سزا یہ تھی کہ یہ جس مقصد کے لیے آئے تھے، وہی رویہ ان کے ساتھ اختیار کیا جاتا، یعنی انہیں قتل کر دیا جاتا یا کم سے کم وہ قید کر لیے جاتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یوں ہی رہا فرما دیا، کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یقینا جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی اور اس سے چاہے جانی یا مالی نقصان کسی بھی فریق کا ہوتا، لیکن عربوں میں اسلام کے تئیں نفرت اور بڑھ جاتی، کیوں کہ وہ حرم کا بے حد احترام کرتے تھے، انہیں خیال ہوتا کہ مسلمانوں نے اب حرم کی حرمت کو بھی پامال کرنا شروع کر دیا ہے، یہ ہوش کو جوش اور حکمت ومصلحت کو جذبات پر غالب رکھنے کی ایک مثال ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک معرکہ ''غزوۂ بنو مصطلق'' کے نام سے معروف ہے، اس غزوہ میں ایک انصاری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام کے درمیان معمولی سی بات پر کچھ تیز وتند، گفت گو ہو گئی، پھر انصاری نے اپنی مدد کے لیے انصار کو اور حضرت عمر کے غلام نے مہاجر کو آواز دی اور اس طرح دو افراد کا جھگڑا دو گروہ کا جھگڑا بن گیا، عبداللہ بن ابی، جو نفاق کے مرض میں مبتلا تھا، بلکہ گروہ منافقین کی قیادت کرتا تھا اور کسی ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا، جس سے اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے، اس نے اس موقع کو اپنی ناشائستہ حرکت کے لیے بہت غنیمت جانا اور انصار کو یہ کہہ کر برانگیختہ کیا کہ مہاجرین کے معاملہ میں تمہاری مثال عربوں کے اس محاورہ کی سی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو کہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے، عبداللہ بن ابی کی اس ریشہ دوانی کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کمسن انصاری صحابی نے دی، جب آپ نے عبدا بن ابی کو بلا کر استفسار فرمایا تو وہ صاف مکر گیا، کچھ دوسرے بزرگ انصار جو عبدللہ بن ابی کے نفاق سے واقف نہیں تھے، انہوں نے بھی عبداللہ بن ابی کی حمایت کی، اس موقع پر قرآن مجید کی آیت ان کمسن انصاری صحابی کی تصدیق میں نازل ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ شفقت ان کی گوش مالی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حق کا جوش غالب رہتا تھا، انہوں نے آپ سے اجازت مانگی کہ عبد اللہ بن ابی کی گردن ماردی جائے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت مرحمت فرماتے تو یقینا یہ بجا ہوتا، کہ ''الفتنة اشد من القتل''، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، تا کہ اگر میں ایسا کروں تو انصار کو غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اور لوگ بھی ایسا سوچیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے رفقاء کو قتل کرا رہے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی اور صحابہ کو کوچ کرنے کا حکم دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پورے دن، رات اور آئندہ دن دوپہر تک خلاف معمول چلتے رہے، یہاں تک کہ صحابہ تھک کر چور ہو گئے تو آپ نے پڑاؤ کرنے کا حکم فرمایا، اس مسلسل سفر کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اتنا تھک جائیں کہ انصار ومہاجرین کے درمیان جو تلخی وہاں پیدا ہوگئی تھی، اس کا اثر جاتا رہے، پھر ایک وقت آیا کہ خود عبد اللہ بن ابی کے صاحب زادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بہت مخلص مسلمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص محبین میں تھے، انہوں نے درخواست کی کہ میں اپنے والد کے نفاق سے واقف ہوں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو تو میں خود انہیں قتل کرسکتا ہوں، آپ نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے گا، میں اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا ہی معاملہ کروں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ صورت حال بتائی کہ اگر ہم اس وقت عبد اللہ بن ابی کے قتل کا حکم دیتے تو اس سے بعض مخلص مسلمانوں کو بھی غلط فہمی ہوسکتی تھی، لیکن اب یہ صورت حال ہے کہ خود ان کے بیٹے ان کا سر قلم کرنے کو تیار ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رائے میں برکت رکھی ہے۔

یہ وہی حکمت ومصلحت اور ہوش کو جذبات اور جوش پر ہوش کو غالب رکھنے کی بات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کی کتنی ہی مثالیں ملتی ہیں۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اس صورت حال کو سمجھیں، اگر ہم نے مغلوب الجذبات ہوکر چند پتھر پھینک دیے، تو اس سے یقینا دوسروں کا کچھ خاص نقصان نہیں ہوگا اور نہ اس سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا، البتہ اس سے آپ کے لیے بہت زیادہ نقصان ومضرت کا اندیشہ موجود ہے، کوئی انسان کتنا بھی ظالم اور بدخو ہو، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کو اپنے ظلم وجور کے لیے کوئی دلیل ہاتھ آجائے، خواہ وہ

کم زور سے کم زور تر کیوں نہ ہو، شیطان نے بھی اپنی عدول حکمی کے لیے ایک دلیل دریافت کرلی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مادہ تخلیق اس کے مادہ تخلیق سے کم تر ہے، اس لیے وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کرے گا۔

اگر ہم مشتعل اور بے برداشت ہوکر کوئی معمولی سی حرکت بھی کرگزریں تو جو لوگ اپنے سینوں میں بغض چھپائے رکھتے ہیں، ان کو اپنی زیادتی کے لیے سند جواز ہاتھ آجاتی ہے، گویا ہم اپنے ہاتھوں ان کو اشتعال کا ہتھیار دے دیتے ہیں، پھر لوگ واقعات اور اس کے اصل محرکات کو نہیں دیکھتے، بلکہ ظاہری سبب کو ہی اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، اس لیے ایسے مواقع پر سوچنا چاہیے کہ کون سا قدم ہمارے مقصد کے لیے مفید و معاون ہوگا۔

خدا کی مدد کا دوسرا ہتھیار ''صلوٰۃ'' ہے، صلوۃ کے اصل معنی نماز کے ہیں، نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان خدا کے سامنے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچھا دیتا ہے اور پیشانی سے لے کر پاؤں تک انگ انگ خدا کی بندگی میں مشغول ہوتا ہے، اس لیے نماز دراصل رجوع الی اللہ کا عنوان ہے، یعنی مشکل حالات میں انسان اپنے رب کی طرف پوری طرح رجوع ہوجائے، وہ خدا کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی رکھ دے کہ ہم محتاج ہیں تو غنی، ہم فقیر ہیں تو داتا، تو ان ہاتھوں کو خالی واپس نہ فرما، خدا کی طاقت بے پناہ ہے، یوں تو روز وشب خدا کی قدرت کو ہم دیکھتے ہی رہتے ہیں، لیکن یہ قدرت اسباب کے پردہ میں ظہور پذیر ہوتی ہے، کبھی کبھی خدا کی طاقت اسباب سے آزاد ہوکر بھی انسان کے مشاہدہ میں آتی ہے، غور کرو کہ جب حضرت موسیٰ اور قوم بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے کے لیے فرعون کا لشکر جرار جمع ہو رہا تھا اور کبر وغرور سے مغرور ہوکر نکل رہا تھا، تو لوگ یہی دیکھ رہے تھے کہ یہ لشکر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے چل رہا ہے، لیکن اللہ کے یہاں یہ بات مقدر تھی کہ ان کا یہ اجتماع خود ان کے نیست و نابود ہونے کا ذریعہ بن جائے گا، چناں چہ وہی ہوا۔

بدر کے معرکہ میں بڑے بڑے سورما اور بہادر مکہ سے چلے آئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے ڈال دیا ہے، ان کے جوش وخروش کو دیکھ کر لوگوں کو خیال گذرا ہوگا کہ یہ تو مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، لیکن کسے خبر تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سورماؤں کو اس لیے جمع کر رہا ہے کہ خود ان کا وجود صفحہ ہستی سے مٹ جائے اور مکہ کو اپنے ضدی سرداروں سے نجات مل جائے، آئندہ اہل مکہ کے لیے دعوتِ حق کو قبول کرنا آسان ہو۔

غزوۂ احزاب میں اتحادیوں کی ایک پہاڑ جیسی فوج اس لیے جمع ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں تمام اسلام مخالف طاقتوں کو متحد ومربوط کر دیا جائے ،لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور تھی کہ اس آخری کوشش کی ناکامی کے بعد ہمیشہ کے لیے ان کی ہمت ٹوٹ جائے اور خود ان کی صفیں بکھر جائیں۔

اس لیے ہمیں خدا کی طرف اور اس کے خزانہ وطاقت سے مدد لینا چاہیے، پھر اس کے لیے نہ کوئی چیز انہونی ہے اور نہ کوئی بات ناممکن، وہ چاہے تو وقت کی سپر طاقتوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دے اور اپنے کم زور بندوں کو آہن وفولاد سے زیادہ طاقت ور۔

دعا کا مقصد یہی ہے کہ مؤمن خدا کے غیبی خزانہ سے اپنا مدعا حاصل کریں، یہی صبر اور رجوع الی اللہ، اللہ کی مدد کی کلید اور کام یابی کا ہتھیار ہے اور بے صبری اور خالق کے بجائے ،مخلوق پر بھروسہ، مؤمن کے لیے ناکامی ونامرادی کا پیش خیمہ، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، یہ آخری فقرہ صبر کی مزید تاکید کے لیے ہے، کیوں کہ صبر ایک مشکل کام ہے، یہ اپنے جذبات کی آگ کو اپنے آپ بجھانا اور نفس کے تقاضوں کو آپ قتل کرنے کے مترادف ہے، انسان کا کسی مقصد کے لیے یکبارگی جان دے دینا، نسبتاً آسان ہے، لیکن کسی کاز کے لیے گھٹ کر مرنا اور مسلسل اپنے جذبات کو تختۂ دار پر چڑھانا بہت دشوار، اسی لیے شاعر نے خوب کہا ہے#

سلگنا اور شے ہے، جل کے مر جانے سے کیا ہوگا!

ہوا ہے کام جو ہم سے، وہ پروانوں سے کیا ہوگا!

موجودہ حالات میں ہمیں اپنے آپ سلگنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہیے، ہمارے دل حوصلۂ وہمت سے معمور ہوں، ہمارے جذبات کی لگام حکمت وشعور کے ہاتھوں میں ہو، ہماری پیشانی میں خدا کے یقین کا نور ہو اور ہمارے ہاتھ اپنے خالق کے حضور اٹھے ہوئے ہوں، یہی ہمارے لیے کام یابی کا راستہ ہے اور اسی طرح ہم اللہ کی مدد کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات

مسلم سماج کی اخلاقی وسماجی صورت حال

امانت علی قاسمی

استاذ دار العلوم وقف دیو بند

مسلمان ایک زندہ قوم ہے اور قیامت تک کے لیے ایمانی جرأت وعزیمت کے اظہار کے ساتھ کام کرنے کی والی جماعت ہے، اسلام اپنی ابتداء میں اجنبی تھا، اس کے ماننے والے چند لوگ تھے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کر کے حضرات صحابہ نے باوجود تعداد میں کم ہونے، طاقت میں پست ہونے، تعلیم میں کمزور ہونے اور ظاہری اعتبار سے خستہ حال ہونے کے ایک ایسا انقلاب برپا کیا، جس سے قیصر وکسری کے محلات ہل گئے، بڑی بڑی سلطنتوں میں لرزہ طاری ہو گیا، طاقت ور قومیں سرنگوں ہوگئیں۔ صحابہ جرأت ایمانی، عشق مصطفوی کے ساتھ آگے بڑھے اور بڑھتے چلے گئے، قوموں کے افکار وروایات پر چھائے اور چھاتے چلے گئے، ان کے عزم وکردار کا ایسا سیلاب آیا جو قوموں کے تمام خس و خاشاک کو بہالے گیا اور بڑے بڑے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہو گیا۔

تنزلی کے اسباب

آج ہم جس مقام پر ہیں ہمیں اپنے ماضی کا محاسبہ کرنا چاہیے، اپنے اسلاف کی روشن روایات کا جائزہ لینا چاہیے، آج یورپ ہم پر فکری اور تہذیبی طور پر حکومت کر رہا ہے، اور ہم مرعوبیت کے ساتھ یورپ کی طرف ٹک ٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں، ان کی تہذیب وکلچر کو اپنانا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں، حد یہ ہے کہ ان کی غیر معقول اور حیا باختہ چیزیں بھی ہمارے دلوں کو بھانے لگی ہیں، آپ غور کریں یورپ کے بے شمار منفی رویوں، عدل ومساوات کے باب میں غیر معمولی ناانصافیوں کے باوجود اگر ان کے ہاتھوں میں قیادت کی زمام ہے تو اس وجہ سے کہ ان کے اندر اخلاقی قدریں نمایاں ہیں جو قومیں اخلاقی رویوں میں پست ہو جاتی ہیں ان کے ہاتھوں سے قیادت کی چابی چھن جاتی ہے، جن کی گفتار میں سحر انگیزی ہو؛ لیکن کردار سے عاری

ہوں وہ کامیابی کی کلید سے محروم ہوتے ہیں، جو عملی اعتبار سے سست اور بے راہ روی کا شکار ہوں ذلت و نکبت ان کے دروازے تک آپہنچتی ہے۔ابن خلدون بڑے مؤرخ گزرے ہیں، تاریخ اور تاریخیت کے باب میں انہیں ایک مقام حاصل ہے، وہ لکھتے ہیں:

دنیا میں عروج وترقی حاصل کرنے والی قوم اچھے اخلاق کی مالک ہوتی ہے؛ جب کہ برے اخلاق کی حامل قوم زوال پذیر ہوجاتی ہے۔

حکیم الا سلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کسی قوم کے زوال کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی قوم کی بتاہی و بربادی کے بھی تین اصول نکل کرآتے ہیں، جن سے ایک قوم قعر مذلت میں گھر کردم توڑ دیتی ہے۔ایک یہ ہے کہ جہالت کا راستہ ہی دکھائی نہ دے، دوسرا یہ کہ بدخلقی یعنی تہذیب وشائستگی کا سر ہاتھ سے چھوٹ جائے ، اور انسان کے بجائے حیوان بن جائے اور تیسرا بے عملی کہ سست اقوام کا نتیجہ ہمیشہ ذلت وخواری اور پستی وغلامی نکلا ہے، دنیا کی جو قوم بھی ہلاک ہوئی ہے وہ انہی تین بنیادی بیماریوں سے ہلاک ہوئی ہیں (ملفوظات حکیم الاسلام ص ۸۹)۔

ایک دوسری جگہ حضرت حکیم الاسلامؒ لکھتے ہیں:

میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتی ، نہ دولت سے چاہے ارب پتی بن جائے اور نہ کوئی عددی اکثریت سے ترقی کرسکتی ہے کہ افراد اس کے پاس زیادہ ہوں اور نہ کوئی قوم محض سیاسی جوڑ توڑ سے ترقی کرسکتی ہے؛ بلکہ دنیا کی اقوام کردار اور اخلاق سے ترقی کرسکتی ہے۔(ملفوظات حکیم الاسلام ص ۳۷۲)

جہالت اور دینی تعلیم سے دوری

حضرت حکیم الاسلامؒ کی باتیں اگر ہم اپنے سماج پر منطبق کرتے ہیں تو زوال پذیر قوم کی تینوں بنیادیں ہمارے اندر موجود ہیں۔دینی تعلیم کی جہالت کا عالم یہ ہے کہ نکاح وطلاق جیسے معاشرتی مسائل جس سے ہر مسلمان کو سابقہ پڑتا ہے؛لیکن ان کے بنیادی مسائل کا علم بھی سماج کے ایک بڑے طبقے کو نہیں ہے، نکاح کے ارکان کیا ہیں؟ کس طرح نکاح ہوتا ہے؟ نکاح میں خطبہ ضروری ہے یا نہیں؟ گواہ کی کیا حیثیت ہے؟فون کے ذریعہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نکاح میں وکیل اور ولی کی کیا حیثیت ہے؟اسی طرح نزاع کی صورت میں کس طرح آپسی رشتہ کو استوار رکھا جائے ،میاں بیوی کے درمیان خوش گوار تعلقات کی بنیادیں کیا ہیں؟ایک

دوسرے کے حقوق کیا ہیں؟ حقوق کی ادائیگی کس درجہ میں ضروری ہے؟ اگر طلاق دینے کی نوبت آجائے، تو طلاق کس طرح دینی چاہیے؟ طلاق کب دینی جائز ہے؟ اور کیوں کردینا جائز ہے؟ تین طلاق کا مطلب کیا ہے؟ اس طرح کے بیشتر بنیادی سوالات ہیں جن کا ہمارے سماج کے ایک بڑے طبقے کو علم نہیں ہے، انہوں نے دینی تعلیم حاصل نہیں کی اور اگر حاصل کی تو صرف قرآن کی تعلیم حاصل کی ہے؟ ان مسائل کا علم حاصل نہیں کیا ہے اور اسکول کے نصاب میں یہ مضامین شامل نہیں ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس نکاح کے ذریعہ اسلام نے الفت ومحبت کی تعلیم دی، بہترین شوہر اس شخص کو قرار دیا گیا جو بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ہو؛ لیکن عملی رویہ یہ ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر شوہر بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔

مسلم سماج اور اخلاقی زبوں حالی

بداخلاقی کی مثالیں مسلم سماج میں سب سے زیادہ آتی ہیں، غیر مسلم حضرات یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اب مسلمانوں میں وہ چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں جو پہلے ہمارے یہاں تھیں۔ یعنی غیر مسلموں کا بھی اعتراف ہے کہ مسلمانوں کی وہ اخلاقی حالت نہیں رہی، ان کے اخلاق وکردار میں بدعملی کا گھن لگ گیا ہے، ان کے کردار کو بے حیائی و ضمیر فروشی کی دیمک نے چاٹ لیا ہے، ان کے رویوں میں سیرت نبوی کو وہ چاشنی اور مٹھاس باقی نہیں رہی ہے، ان کا طرز عمل مغلوب قوموں کی اجارہ داری کررہا ہے، ان کی زندگی میں دولت کی حرص وہوس نے ہر چیز کو ماند کردیا ہے، ان کی نگاہ میں دنیا عزیز ہے جب کہ یہ وہ قوم ہے جن کا عقیدہ آخرت کو بنانے اور سنوارنے کا ہے، ان کی محفلیں عیش وطرب سے آباد ہونے لگی ہیں جب کہ ان کو تعلیم وذکر وتلاوت کی دی گئی ہے۔ بعض مسلمان تاجر کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کرنے میں اطمینان رہتا ہے، مسلمانوں کے ساتھ معاملات میں وہ اطمینان نہیں رہتا، جس خوش اخلاقی سے غیر مسلم حضرات بات چیت کرتے ہیں، مسلمان اس طرح اخلاق ومروت کا مظاہرہ نہیں کرتے ہیں۔ جھوٹ، غیبت، وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت مسلم معاشرے کا ناسور بن گیا ہے۔ مسلم محلوں میں شراب نوشی، جوا، سٹہ کا بازار گرم ہے جب کہ اسلام انہی چیزوں سے دنیا کو پاک کرنے آیا تھا۔

علماء کی بے توقیری

دولت مندوں نے علماء کو اپنے ہاتھ کا رومال بنالیا ہے، جس طرح چاہتے ہیں علماء کو استعمال کرتے ہیں، پھر انہی علماء پر تنقید کے تیر برساتے ہیں۔ سماج میں اس معزز طبقہ کو بے حیثیت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اپنی پوری توانائی مسلم

سماج کی اصلاح اور ان میں دینی تعلیم کی روشنی بکھیرنے میں صرف کرتے ہیں۔علماء،ائمہ،دینی خدمت گزار اور سنجیدہ طبقہ پر تنقید کرنا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک دینی وشرعی ضرورت ہو،ایک انسان کی زندگی بھر کی محنت اور دینی خدمات کو پس پشت ڈال کر صرف ایک بے عملی کو اس پر حاوی کر دیا جاتا ہے اور اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے اس سے زیادہ سماج میں کوئی برا انسان نہیں اور اس ایک برائی کو مٹا کر سماج کو ہر قسم کی غلاظت سے پاک کیا جا سکتا ہے۔

خواتین کو میراث سے محروم کرنا

مسلمان آج بہنوں کو حصہ نہ دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے،جب کہ اسلاف کا طرز عمل یہ تھا کہ ایک شخص نے انگریزوں کے عہد میں اپنے خاندانی رواج کی بنا پر بہن کو حصہ دینے سے انکار کر دیا اور انگریزی حکومت نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تو بزرگوں نے ملک گیر تحریک چلائی اور انگریزوں کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا جس کے نتیجے میں شریعت اپلیکیشن ایکٹ بنا۔آج عموما میراث میں سے حصہ لینے والے مسئلہ معلوم کرتے ہیں دینے والا کوئی بھی مسئلہ معلوم نہیں کرتا ہے؛اس لیے کہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے کسی طرح میراث نہ دینی پڑے وہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :جو شخص کسی کو وارث بنانے سے بھاگے گا،قیامت کے دن اللہ تعالی جنت سے اس کا حصہ ختم کر دے گا(سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۷۰۳)۔

نوجوانوں کی بے راہ روی

نوجوانوں میں لہو ولعب اور عیش وطرب کی فضا عام ہوگئی ہے۔موبائل اور انٹرنیٹ پر اپنا اکثر وقت ضائع کرتے ہیں اور معمولی رقم کی لالچ میں موبائل پر گیم کھیلتے رہتے ہیں اور دس بیس روپیے کما کر اپنا جی خوش کر لیتے ہیں،انہیں یہ نہیں معلوم عمر عزیز کی یہ ساعتیں ان کے حق میں کس قدر مہنگی اور قیمتی ہیں۔ بلا محنت کے مال کمانے کی ہوس عام ہوتی جا رہی ہے اس لیے ہر انویسٹ کمپنی میں پیسہ لگا کر کمائی کرنا چاہتا ہے چاہے وہ انویسٹ کا طریقہ جائز ہو یا نا جائز،مفت میں پیسے حاصل ہونے چاہیے۔

مسلم سماج کی بے عملی

بے عملی اور سست روی مسلم سماج کا ایک حصہ بنتا جا رہا ہے،مسلم محلے اور گلیوں کو دیکھ کر آج لوگ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ مسلم محلہ ہے یا غیر مسلم محلہ ہے،نالیوں میں گندگی،راستہ میں گندگی،سرکاری زمین کو

تھوڑا تھوڑا دبانا یہاں تک کہ گلی تنگ ہو جائے یہ عام سی بات ہے۔ حدیث میں ہے کہ اپنے گھر کے صحنوں کو صاف رکھو اور ان یہود کی مشابہت مت اختیار کرو جو گھر میں کوڑا اکرکٹ جمع کرتے ہیں، آج صورت حال یہ ہے کہ تشبیہ میں ہماری مثال دی جاتی ہے کہ صفائی کرو مسلمانوں کی طرف مت بنو جو اپنے گھروں اور محلوں کو صاف نہیں رکھتے ہیں۔

یہ ہمارا عملی رویہ ہے ظاہر ہے کہ انہی وجوہات کی بنا پر ہم تنزلی کا شکار ہیں۔ آج ہمیں اپنے کردار پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اپنے معاملات کی درستگی کے لیے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے۔ اور دوسروں کو طعنہ دینے اور اپنے غلطی کا ٹھیکرا دوسروں پر پھوڑنے کے بجائے خود احتسابی کر کے اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ سماج کو تعلیم سے آراستہ کرنا، اس کے لیے جدو جہد کرنا اور جانی و مالی قربانی سے دریغ نہ کرنا، نئی نسل کو دینی و اخلاقی تربیت سے آراستہ کرنا اچھے اخلاق اور نمونوں کو فروغ دینا، وقت کی ضرورت ہے، مسلم سماج میں قرآن اور قرآنی تعلیمات کو فروغ دینا چاہیے۔ اگر مسلمانوں نے ذلت کے اسباب کا جائزہ لے کر ان کے خاتمہ کی کوشش کی تو وہ دن دور نہیں کہ اسلام کی زرخیزی و شادابی کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

سودخوری کا عذاب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شبِ معراج میں جب ہم ساتویں آسمان پر پہنچے تو میں نے اوپر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اچانک گرج، بجلی اور کڑک محسوس کی، پھر ایک ایسی قوم پر میرا گزر ہوا جن کے پیٹ بڑے بڑے مکانوں جیسے تھے، جن میں سانپ بھرے ہوئے تھے، جو باہر صاف طور سے نظر آرہے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا: یہ سودخور لوگ ہیں۔ (ابن ماجہ، مسند احمد)

علمی تحقیق — تیسری قسط

کیا قرآنِ کریم میں سائنس کی تعلیم بھی ہے؟

مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

گذشتہ تفصیلات سے بحمد اللہ یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ قرآنِ کریم کا بنیادی موضوع اور مقصد: توحید کی دعوت دینا، عقائد کی اصلاح کرنا، فکرِ آخرت پیدا کرنا، اَخلاق کا تزکیہ کرنا، فقہی اَحکام ومسائل بیان کرنا، حکمت وتدبر کی تعلیم دینا، اور فرد ومعاشرہ کی ظاہری وباطنی اصلاح کے لیے مختلف انداز میں پندو نصیحت اور عبرت وموعظت کو ذکر کرنا ہے۔

اور یہ تذکرہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ اچھی طرح آ گیا کہ بطور مقصود کے تو نہیں، مگر ضمناً اور اشارتاً قرآن کریم کا ہر ہر لفظ اور ہر ہر حرف ایسے گہرے حقائق پر مشتمل، اور ایسے وسیع تصورات کو حاوِی ہے کہ جن کے پیچھے علوم وفنون کا ایک پورا گنجینہ، اور حقائق ومعارف کا پورا خزانہ موجود ہے۔

اَب یہاں صرف یہ بتانا باقی رہ گیا ہے کہ ضمناً اور اشارتاً ہی سہی، مگر اِن علوم وفنون کے قرآن میں ذکر کرنے کا مقصد کیا ہے؟۔

قرآن میں اِضافی علوم وفنون کے ذکر کا مقصد:

پہلی بات تو یہ کہ قرآنِ کریم خالقِ کائنات اور باری تعالیٰ کا کلام ہے، لہٰذا اُس میں جب بھی کسی بھی موضوع پر گفتگو کی جائے گی تو اس کی تعبیرات اور الفاظ میں یقیناً ایسی لطافت، باریکی اور گہرائی ملحوظ ہوگی جو ”حقائق الاشیاء“ اور واقع کے مطابق ہو (الا یہ کہ کہیں معنیٰ مجازی ہی مراد ہوں)، اِس لیے کہ کسی بھی شے کی حقیقت کو اُس کے موجد (پیدا کرنے والے) اور صانع (بنانے والے) سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟!۔

تو یہ علوم وفنون اور حقائق ومعارف قرآن کے اصل مضامین اور مقاصد تو نہیں ہیں، البتہ اصل مقصود کے ضمن میں حاصل ہونے والے اضافی فوائد اور محاسن ضرور ہیں۔

دوسری بات یہ کہ قرآنِ کریم قیامت تک رہنے والا ایک زندہ وتابندہ معجزہ ہے، تو یہ اس کے کمالِ اِعجاز کا حصہ ہے کہ اُس پر جس زاویہ سے نگاہ ڈالی جائے اُسی طرح کے معانی اور مضامین اُس سے مترشح ہوتے ہیں، اَب دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ کون اُس کو اس کے اصل مقصد میں استعمال کرتا ہے، جیسا کہ صحابہ وتابعین، سلفِ صالحین اور اُن کے متبعین کا معمول رہا، اور کون اُس سے اپنی دنیا طلبی کا سامان پیدا کرتا ہے، جیسا کہ آج کل بعض افراد وطبقات کے ہاں یہ پہلو پایا جاتا ہے: يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (البقرة۲۶) کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

تیسرا اور اصل منشا ہے اِن مضامین میں غور وفکر کی دعوت دینا اور تفکر وتدبر پر ابھارنا۔ مگر اِس دعوتِ تدبر کا مقصد کیا ہے؟ یہ بھی اِس دور کا نہایت اہم اور قابلِ توجہ موضوع بن چکا ہے، اِس لیے اِس پر ذرا تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، وباللہ التوفیق۔

اللہ کی نشانیوں میں دعوتِ تدبر اور غور وفکر کا مقصد:

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ مختلف پیرایوں میں اِنسانوں کو اللہ کی نشانیوں (آیات فی الکون) میں غور وفکر کی اور تفکر وتدبر کی دعوت دی گئی ہے:

کہیں تو اِس کارگہِ ہستی کی شیشہ گری اور اُس کے اجزائے ترکیبیہ کی کاریگری کو ان کے پیدا کرنے والے اور جوڑنے والے کے وجود اور وحدانیت پر بطور دلیل کے پیش فرمایا گیا ہے، اِرشاد ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (آل عمران۱۹۰)

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور لیل ونہار کی گردش [کے نظام] میں یقیناً نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔

اور کہیں اِس کارخانۂ عالم کی تخلیق وترکیب کو بطور منّ واحسان کے بیان فرمایا گیا ہے، اِرشاد ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (الروم۴۶)

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہوائیں چلاتا ہے مژدہ سناتی، تاکہ تمھیں (ان ہواؤں کی بدولت) اپنی رحمت کا ذائقہ دے، اور تاکہ (ان کے ذریعے) کشتیاں چلیں اُسی کے حکم سے، اور تاکہ تم اس کا رزق تلاش کرسکو، اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

ایک اور جگہ اِرشادِ باری ہے: هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ (یونس ۶۷)

وہ ہی ہے جس نے تمھارے واسطے رات کو بنایا تا کہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو بنایا (روشن) دِکھلانے والا، یقیناً اِس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سننا (سمجھنا، اور ماننا) چاہتے ہیں۔

اِن آیات میں اور اِن کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات میں کائنات میں مستور وموجود اللہ کی نشانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اِنسانوں کو اُن میں غور وفکر کی دعوت بھی دی گئی ہے۔

اِس سلسلہ کی تمام آیات میں غور کرنے سے، مخاطَب کے فرق کے لحاظ سے بحیثیتِ مجموعی غور وفکر کی دعوت کے چار مقاصد سامنے آتے ہیں:

(۱) منکِر وکافر اور دہریوں پر حجت قائم کرنا۔ (۲) تلاشِ حق میں سرگرداں کو دلیلِ راہ فراہم کرنا۔ (۳) مؤمن کو تشکر وامتنان کی ترغیب دینا۔ (۴) پختہ ایمان موحد کو عین الیقین عطا کرنا۔

آئندہ سطور میں ہم اِن چاروں مقاصد سے متعلق بعض بعض آیات پیش کرتے ہیں:

مقصدِ اول: منکِر وکافر اور دہریوں پر حجت قائم کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (البقرۃ ۱۶۴)

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات ودن کی گردش میں، اور اُن کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کے نفع کی چیزیں لے کر چلتی ہیں، اور بارش کے اُس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے نازل فرمایا پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ فرمادیا، اور اُس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہواؤں کے بدلنے میں، اور اُس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند ہو کر چلتا ہے؛ یقیناً نشانیاں ہیں سمجھنے والوں کے لیے۔

یعنی جب کائنات میں ہر لمحہ اور ہر آن اتنے بڑے بڑے انقلابات اور تغیرات ایک خاص ترتیب اور تسلسل کے ساتھ برپا ہیں، تو یقیناً اُن کے پیچھے کوئی طاقت ہوگی جو اتنا بڑا نظام سنبھالے ہوگی، ورنہ موجد

کے بغیر اَز خود نہ تو کوئی چیز موجود ہوسکتی ہے، اور نہ ہی کسی ڈیوٹی اور خدمت کو انجام دے سکتی ہے۔

پھر پورے نظام کا اِس قدر حسنِ ترتیب اور سلیقہ سے مسلسل انجام پاتے رہنا یہ دلیل ہے کہ ان میں مؤثرِ حقیقی کوئی ایک ہی ذات ہے، ورنہ اگر پورے نظام کا سرچشمہ ایک ہی ہاتھ میں نہ ہوتا تو اِس خوبی اور یکسانیت کے ساتھ اتنے بڑے نظام کا بقاء اور اِستحکام ممکن نہیں تھا: **لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الأنبياء ۲۲)**

اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو دونوں کا نظام درہم برہم ہوجاتا۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ آیتِ بالا إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ کی تفسیر کے تحت حضرت تھانویؒ کے کلام کی تلخیص کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''... اِس عقلی استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اِن سب چیزوں کا وجود ممکن ہے، ضروری اور دائمی نہیں، کیونکہ بعض میں یہ مشاہدہ ہے کہ وہ پہلے معدوم تھیں اور پھر موجود ہوئیں، اور بعض کے احوال بدلتے رہنے سے اس کا پتہ چلتا ہے، اور بعضے مرکب ہیں جو اپنے اجزاء کی طرف محتاج ہیں، ترکیب اجزاء سے پہلے معدوم تھیں (اور یہ سب حدوث وتغیرات وغیرہ ''ممکن'' کے احوال میں سے ہے، نہ کہ ''واجب'' کے)۔

جب سب کا ''ممکن'' ہونا معلوم ہوگیا تو سمجھو کہ ''ممکن'' کا چونکہ وجود وعدم دونوں برابر ہوتے ہیں، (اِس لیے) اس کو اپنے وجود کے لیے کسی مرجح کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مرجح اگر اسی جیسا کوئی ''ممکن'' ہی ہو تو اس کے لیے پھر مرجح کی ضرورت ہوگی، تو اس محال سلسلۂ لامتناہی کو قطع کرنے کے لیے ماننا پڑے گا کہ مرجح وجود کوئی ایسی ذات ہے جس کا وجود اصلی اور ذاتی ہو، کہ اس سے کبھی جدا نہ ہو سکتا ہو، اسی کو ''واجب الوجود'' اور ''خدا'' کہتے ہیں۔ تو یہ دلیل ہے صانعِ عالم کے ''وجود'' کی۔

رہا اس کا ''واحد'' ہونا تو اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر نعوذ باللہ صانعِ عالم مثلاً دو ہوں، تو یا تو دونوں قادرِ مطلق ہوں گے، یا ان میں سے کوئی عاجز بھی ہوسکتا ہے، دوسری صورت تو غلط ہے، کیونکہ جو عاجز ہوگا وہ صانعِ عالم اور واجب الوجود نہیں ہوسکتا، پہلی صورت کہ دونوں قادرِ مطلق ہوں یہ بھی محال ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ سوال ہوگا کہ اگر ان میں سے کسی نے ایک کام کا قصد کیا، مثلاً زید کو پیدا کرنے کا، تو دوسرا اُس کے خلاف کا قصد کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ خلاف کا قصد نہیں کر سکتا تو عاجز ہونا لازم آگیا، اور جو عاجز ہوگا وہ خدا کب ہوسکتا ہے! اور اگر کہو کہ خلاف کا قصد کرسکتا ہے تو اس صورت میں یا تو دونوں کا اِرادہ پورا ہوگا یا ایک کا، اگر ایک کا اِرادہ پورا ہوا، ایک کا نہ ہوا، تو دوسرا قادرِ مطلق نہ رہا، اور اگر دونوں کا اِرادہ پورا ہوگا تو ضدین کا اجتماع ہوگا کہ زید موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو، یہ محال ہے، اس لیے دو کا قادرِ مطلق ہونا خود محال ہوگا۔

پس قادرِ مطلق ایک ہی ہوسکتا ہے، یہی مقصود تھا (اِس آیت اور اُس کے بیان کا)، خوب سمجھ لو'' (تسہیل بیان القرآن ج ۱ ص ۸۴، بتغیر یسیر)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

قرآن کریم نے توحید کا دعویٰ کیا، اسکی دلیل ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ الآیۃ بیان فرمائی، جس کا مطلب یہ ہے کہ اِس کائنات میں بھی توحید کے دلائل ہیں، تو اِس کائنات میں چند حیثیتیں ہیں:

اول ان کا دلیل توحید ہونا۔ دوسرے ان کے پیدا ہونے کا طریقہ۔ اور تیسرا ان کے تغیرات کے ڈھنگ۔ قرآن کریم کو صرف پہلی حیثیت سے ان سے تعلق ہے۔

اس کے بعد اگر کوئی یہ سوال کرنے لگے کہ بادل کس طرح پیدا ہوتے ہیں اور بارش کیوں کر ہوتی ہے اور اس قسم کے حالات، تو قرآن سے ان کا تلاش کرنا غلطی ہے'' (ضرورۃ العلم) اھ (ماخوذ از: تعارف وتقدیم ''بیان القرآن'' ص ۱۲، از: مفتی عبدالشکور ترمذی)۔

اِسی طرح کا مضمون قرآنِ کریم میں اور بھی مختلف جگہ وارِد ہوا ہے، ایک جگہ اِرشاد ہے: أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللهُ مِنْ شَيْءٍ (الأعراف ۱۸۵)

کیا اِن لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور اُن چیزوں میں غور نہیں کیا جو اللہ نے بنائی ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ، وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات ۲۰۔۲۱)

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے، اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں!۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

تمام عالَم میں اُن کا تصرف ہے، اور وہ خود نظر نہیں آتے، گو یہ سب تصرفات اُنہی کے ہیں، رازق نظر نہیں آتا رزق نظر آتا ہے۔ اِس سے یہ دَہریے سمجھے کوئی ہے ہی نہیں۔ اِن فلاسفہ اور دہریوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چیونٹی لکھے ہوئے کاغذ پر چلی، اُس پر حروف لکھے دیکھ کر کہنے لگی: کیسے اچھے حروف بن رہے ہیں! دوسری چیونٹی نے کہا کہ یہ خود بخود نہیں بنے، بلکہ یہ قلم نے بنائے ہیں، تیسری نے کہا کہ قلم کیا بناتا، وہ قلم جس کے ہاتھ میں ہے اُس نے بنائے ہیں، چوتھی نے کہا: ہاتھ کیا بناتا، جس نے ہاتھ بنایا سب اُس کا کمال ہے۔ غرض ایک حقیقت پر پہنچ گئی، باقی سب وسائط میں الجھے ہوئے ہیں، اور حقیقت سے بے خبر ہیں''۔ (ملفوظات حکماالامت ۴/ ۲۱۱، ۲۱۲)۔

ایک اور جگہ اِرشاد فرماتے ہیں:

''اِس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں، فطرت خود بتلا رہی ہے کہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور موجود ہے، میں نے ایک دہریہ ملحد کا قول دیکھا ہے جو بعد میں صانع کا قائل ہو گیا

تھا کہ جس زمانے میں صانع کے اِنکار پر لکچر دیا کرتا تھا، تو میرا ضمیر میری تکذیب کرتا تھا، فرمایا کہ صانع کی دلیل تو خود صانع ہی ہے بقول مولانا (رومیؒ):

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب　　　گر دَلیلت بایدا َز وَے رُوٗ متاب

(آفتاب خود ہی اپنے وجود پر دلیل ہے، پھر بھی اگر تم کو وجودِ آفتاب کی دلیل کی ضرورت ہے تو اس سے رخ مت پھیرو، تھوڑی دیر میں خود ہی سمجھ میں آجائے گا)

(ملفوظاتِ حکیم الامت، ۱۵۶/۳)

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا:

عقلائے یورپ موجد ہیں ایسے مصانع کے جن کی ایجادوں سے حیرت ہوتی ہے، مگر ایسے صریح مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ نہایت درجہ قابل حیرت ہے! جس قدر عقلمندی میں اعلی درجہ رکھتے ہیں اُسی قدر اُن میں دہریت ہے، اور خدا کے منکر ہیں، دنیا میں تو کوئی فعل بلا فاعل کے نہ ہو سکے اور اتنے بڑے عالَم کے لیے صانع کی ضرورت تسلیم نہیں کرتے! یہ قدرتِ خدا کا نظارہ ہے (ملفوظات حکم الامت ۲۰ حسن العزیز ۳۳۲/۴)۔

[اقتباساتِ بالا بحوالہ حواشی ''الانتباہات المفیدہ'' از: حکیم فخرالاسلام صاحب مظاہری زید مجدہ]

اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر اِسی طرح کے کائناتی حقائق اور دلائل بیان کرنے کے بعد فرمایا: فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (الأعراف ۱۸۵)

تو اَب اِس کے بعد کس بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟!۔

ایک جگہ فرمایا: تِلْكَ آيَاتُ اللهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ (الجاثیۃ ۶)

یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جن کو ہم آپ کے سامنے بالکل ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں، تو اَب یہ لوگ اللہ اور اس کی نشانیوں کے بعد کس بات پر اِیمان لائیں گے؟!۔

اِن اِرشادات سے کافروں اور دہریوں کے لیے تدبرِ آیات کے مقصد کی تعیین واضح طور پر ہوجاتی ہے کہ ان مخلوقات میں غور کرکے ان کے خالق کی تلاش کرنی چاہیے، مصنوعات میں غور کرکے صانع کی جستجو میں لگنا چاہیے، اور اس کارخانۂ قدرت کے عجائب ولطائف، اور اِس عالمِ رنگ وبُو کے حسنِ عالم تاب میں غور کرکے، اس کے پیچھے موجود اُس کارسازِ حقیقی تک پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ دنیا کی یہ تمام نیرنگیاں اور رنگینیاں جس کی ایک ادنیٰ تجلی کی کرشمہ سازیاں ہیں، اور اگر اتنے کھلے ہوئے حقائق اور دلائل کے بعد بھی اِیمان نہیں لاتے اور حق کو قبول نہیں کرتے تو پھر وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ کی وعید موجود ہے۔ (جاری)

فہمِ قرآن

دوسری قسط

قرآن کریم میں مذکور تاریخی واقعات

مفتی عبداللہ سہارنپوری

پیدائشِ آدم، فرشتوں کو سجدے کا حکم، شیطان کا انکار

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، اور ان کا خمیر تیار ہونے سے قبل ہی اس نے فرشتوں کو یہ اطلاع دی کہ جلد ہی وہ مٹی سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہے، جو''بشر'' اور''انسان'' کہلائے گی، اور زمین میں ہماری خلافت کا شرف حاصل کرے گی۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا، اور ایسی مٹی سے گوندھا گیا جو مختلف تبدیلیاں قبول کرنے والی تھی۔ جب یہ مٹی پختہ ٹھیکری کی طرح آواز دینے اور کھنکھنانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس جسدِ خاکی میں''روح'' پھونکی، اور وہ ایک گوشت، ہڈی، پٹھے کا زندہ حضرتِ انسان بن گیا، اور ارادہ، شعور، حس، عقل، اور وجدانی جذبات وکیفیات کا حامل نظر آنے لگا۔

پھر تمام فرشتوں کو باری تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم سب اس کے سامنے سر بہ سجود ہو جاؤ، چنانچہ فوراً تمام فرشتے ارشادِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوگئے، اور شیطان نے تکبر وغرور اور گھمنڈ کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

سجدہ سے انکار پر شیطان کا مناظرہ:

اللہ تعالیٰ اگرچہ عالم الغیب ہے، دلوں کے بھیدوں اور رازوں سے واقف ہے، ماضی، حال اور استقبال سب اس کے لیے یکساں ہیں، مگر اس نے آزمائش اور امتحان کے لیے ابلیس (شیطان) سے سوال کیا: **مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُکَ** (الأعراف ۱۲) کس بات نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟

ابلیس نے جواب دیا:

اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ (الأعراف ۱۲) اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔

شیطان کا مقصد یہ تھا کہ میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں: اس لیے کہ تو نے مجھ کو آگ سے بنایا ہے، اور آگ بلندی اور رفعت چاہتی ہے، اور آدم کو خاک و مٹی سے، جو ذلت و پستی سے عبارت ہے، بھلا خاک کو آگ سے کیا نسبت؟ اے خدا! پھر یہ تیرا حکم کہ ناری خاکی کو سجدہ کرے کیوں کر انصاف ہو سکتا ہے؟ میں ہر حالت میں آدم سے بہتر ہوں، لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ مجھے سجدہ کرے، نہ کہ میں اس کے سامنے سر بہ سجود ہوں۔ مگر بد بخت شیطان اپنے غرور اور تکبر میں یہ بھول گیا، کہ جب وہ اور آدم علیہ السلام دونوں خدا کی مخلوق ہیں، تو مخلوق کی حقیقت خالق سے بہتر خود وہ مخلوق بھی نہیں جان سکتی۔ وہ اپنے تکبر اور گھمنڈ میں یہ سمجھنے سے قاصر و عاجز رہا کہ مرتبہ کی بلندی و پستی اس مادہ (مٹیریل) کی بنا پر نہیں ہے جس سے کسی مخلوق کا خمیر تیار کیا گیا ہو، بلکہ اس کی ان صفات پر ہے جو خالقِ کائنات نے اس کے اندر ودیعت کی ہیں۔

بہر حال شیطان کا جواب چوں کہ غرور و تکبر کی جہالت پر مبنی تھا؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر واضح کر دیا، کہ جہالت سے پیدا شدہ کبر و نخوت نے تجھ کو اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ تو اپنے خالق کے حقوق اور احترامِ خالقیت سے بھی منکر ہو گیا، اور اسی لیے مجھ کو — معاذ اللہ — ناانصاف اور ظالم قرار دے دیا، اور یہ نہ سمجھا اور جانا کہ خود تیری جہالت نے تجھ کو حقیقتِ حال کے سمجھنے سے درماندہ اور عاجز بنا دیا ہے، لہٰذا اب تو اس سرکشی اور غرور کی وجہ سے ابدی ہلاکت و ملامت کا مستحق ہے، اور یہی تیرے عمل کی قدرتی پاداش اور نتیجہ ہے۔

فائدہ:

شیطان کا یہ دعویٰ کہ آگ مٹی سے بہتر ہے بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ مٹی کا آگ سے بہتر ہونا متعدد وجوہ سے ثابت ہے:

(۱) آگ طبیعت کے اعتبار سے مفسد اور ہلاک کرنے والی ہے، تلف کرنا اور جلانا اس کا خاصہ ہے، برخلاف مٹی کے کہ وہ نہ مہلک ہے نہ محرق۔

(۲) آگ کی طبیعت ہی خفت اور حدت اور طیش سے بھری ہوئی ہے، بخلاف تراب اور مٹی کے کہ اس میں رزانت، وقار سکون اور ثبات ہے۔

(۳) زمین اور مٹی ہی حیوانات کے رزق اور انسانوں کے لباس اور زینت اور تمام سامانِ معیشت کا معدن اور خزانہ ہے، بخلاف آگ کے کہ وہ ان تمام نفع رسانیوں سے بالکل بیگانہ ہے۔

(۴) عنصرِ ترابی کی ہر حیوان کو ضرورت ہے کوئی حیوان زمین سے مستغنی نہیں، بخلاف عنصرِ ناری

کے، کہ عام حیوانات تو اس سے بالکل مستغنی ہیں، انسان بھی بعض اوقات آگ سے مستغنی ہوجاتا ہے۔

(۵) زمین میں کسی چیز کا اگر ایک بیج بھی رکھ دیا جاتا ہے تو زمین اس بیج کو دوگنا چوگنا اضعافاً مضاعفہ بنا کر واپس کردیتی ہے، اس کے برخلاف آگ کے اندر جو کچھ بھی رکھا جائے وہ جلا کر سب کو خاکستر بنادیتی ہے۔

(۶) حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں بکثرت زمین اور زمین کے منافع کا ذکر فرمایا ہے کہ زمین کو ہم نے مہاد (گہوارہ) اور فراش بساط اور اقرار احیاء اور اموات کا ماٴوی اور ملجا بنایا، زندہ اس پر زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر مر کر اسی میں دفن ہوتے ہیں، اور بار بار زمین کے عجائبات میں تفکر وتدبر کا حکم دیا، بخلاف آگ کے کہ اکثر وبیشتر اس کو موقعِ عقاب وعذاب اور مقامِ تخویف وترہیب میں ذکر فرمایا۔

(۷) مساجد اور وہ بیوت کہ جن میں صبح وشام اللہ کا نام لیا جاتا ہے، ہر وقت اس کی عبادت اور بندگی سے معمور رہتے ہیں وہ سب زمین پر ہی واقع ہیں۔

(۸) جو چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں، آگ ان کی خدمت کے لیے ہے، جب ضرورت ہوتی ہے تو آگ سلگائی جاتی ہے، پھر ضرورت ختم ہوتے ہی آگ کو بجھا دیا جاتا ہے، آگ زمین کے لیے بمنزلہ ایک خادم کے ہے اور زمین بمنزلہ مخدوم کے ہے۔ (معارف القرآن ادریسی، ۱/۱۲۶-۱۲۸ بتغیرِ یسیر)

ابلیس کی طلبِ مہلت:

ملعون ومردود ابلیس نے جب یہ دیکھا، کہ خالقِ کائنات کے حکم کی خلاف ورزی، تکبر ورعونت اور خدا تعالیٰ پر ظلم کے الزام نے ہمیشہ ہمیش کے لیے مجھ کو رب العالمین کی آغوشِ رحمت سے مردود اور جنت سے محروم کردیا ہے، تو توبہ وعاجزی اور ندامت کے آنسو بہانے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے یہ فرمائش کی کہ تا قیامِ قیامت مجھ کو مہلت عطا کردے، اور اس طویل مدت اور زمانے کے لیے میری زندگی کی رسی کو دراز کردے۔

چنانچہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا اور منشا بھی یہی تھا، لہٰذا اس کی یہ درخواست منظور کرلی گئی۔ یہ سن کر اب اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی شیطنت کا مظاہرہ کیا، اور کہنے لگا: کہ جب تو نے مجھے راندۂ درگاہ کر ہی دیا ہے، تو جس آدم کی بدولت مجھے یہ ذلت ورسوائی نصیب ہوئی، میں بھی اس آدم کی اولاد کی راہ ماروں گا، اور ان کے پس وپیش، ارد گرد اور ہر چہار جانب سے ان کو گمراہ کروں گا، اور ان کی اکثریت کو تیرا ناشکرا اور نافرمان بنا کر چھوڑوں گا۔ البتہ تیرے مخلص بندے میرے اغوا کے تیر سے گھائل نہ ہوسکیں گے، اور ہر طرح سے محفوظ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم کو اس کی کیا پروا، ہمارا فطرت کا قانون ’’مکافاتِ عمل و پاداشِ عمل‘‘ اٹل قانون ہے۔ پس جو شخص جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ جو بنی آدم مجھ سے روگردانی کرکے تیری پیروی اور اتباع کرے گا وہ تیرے ساتھ عذابِ الٰہی (جہنم) کا سزاوار اور مستحق ہوگا۔ جا اپنی ذلت و رسوائی اور بدقسمتی کے ساتھ یہاں سے دور ہو اور نکل جا، اور اپنی اور اپنے پیروؤں کی ابدی لعنت (جہنم) کا منتظر رہ۔ (جاری)

نوجوانوں کے نام

مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی

جوانو! رنگ پر پھر آج دنیائے سیاست ہے
تمہاری تاک میں فرعونیوں کی اک جماعت ہے
تعصب کا جنونی ہاتھ ہم دست حکومت ہے
چڑھی ہیں تیوریاں تم پر دلوں میں گھن ہے نفرت ہے

مجھے اے دوستو! تم سے یہی بس اک شکایت ہے
تمہارا ہوش اس عالم میں بھی ہم دوش غفلت ہے
تمہارے سر گھٹا منڈلا رہی ہے آتشین خونیں
تمہیں کرکٹ کی فرصت ہے تمہیں ٹی وی کی چاہت ہے

تمہارے ہاتھ میں لوڈو کی گونٹی اے معاذ اللہ!
سرور و کیف کی خاطر تمہیں پاؤچ کی حاجت ہے
وقار اپنا مٹایا ہے تمھیں نے اپنے ہاتھوں سے
وگر نہ اہل باطل میں کہاں کس بل ہے جرأت ہے

تمھیں یہ عارفؔ دلگیر اک پیغام دیتا ہے
اسی میں عظمت و رفعت ہے عزت اور راحت ہے
’’جہاں میں آشنائے معنئ قرآں ہوجاؤ
حقیقت زندگی کی جان لو اک جان ہوجاؤ‘‘

اسلامی تعلیمات

مہمان نوازی اور اسلام

مفتی محمد حیان بیگ
استاذ شعبۂ تخصص فی التفسیر مظاہر علوم سہارنپور

مہمان نوازی اور سخاوت واکرام قدیم زمانہ سے اہلِ عرب کا امتیاز رہا ہے، کتبِ تاریخ، اور عرب شعراء وحکماء کے اشعار واقوال مہمان نوازی کی مدح سرائی اور اس پر فخر ومباہات کے جذبے سے سرشار ہیں۔

دراصل مہمان نوازی اور سخاوت تمام انبیاء کی سنت رہی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ضیافت کا واقعہ قرآن پاک میں بھی مذکور ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

مہمان نوازی آدابِ اسلام اور انبیاء وصالحین کی سنت ہے۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم، ۲/۸۱)

چنانچہ اسلام نے بھی مہمان نوازی کی بڑی ترغیب دی ہے، اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے برگزیدہ صحابہؓ کی سیرتِ طیبہ نے ضیافت اور اکرام واحترام کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے، اقوامِ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ ضیافت ایمان کا حصہ ہے، چنانچہ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہؒ اور جمہور کا یہ مذہب ہے کہ: ضیافت سنت ہے، واجب نہیں ہے؛ اور امام لیث واحمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: ایک دن، ایک رات تک مہمان نوازی واجب ہے، نیز امام احمدؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: اس کا وجوب اہلِ دیہات پر ہے، شہر والوں پر نہیں۔
(شرح النووی علی صحیح مسلم، ۱۲/۳۰)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ:

آدمی کے گھر کی زکاۃ یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں مہمانوں کے واسطے بھی کمرہ بنوائے۔
(قری الضیف لابن ابی الدنیا، ص ۴۷)

شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک مہمان سے زیادہ محبوب کوئی اور چیز نہیں، اس لیے کہ اس کا خرچ تو اللہ کے ذمہ ہے، اور اجر و ثواب میرے لیے ہے۔(التمثیل والمحاضرۃ للثعالبی، ص ۴۳۰)

یحیی بن معاذؒ فرماتے ہیں:

اگر پوری دنیا ایک لقمہ کی شکل میں میرے ہاتھ میں ہوتی تو بھی میں اسے مہمان کے منہ میں رکھ دیتا۔(بحوالہ سابق)

جہاں ایک طرف میزبان کے اوپر مہمان کے حقوق ہیں، وہیں دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ مہمان بھی میزبان کی رعایت کرے، اور اس کی ضرورت و مصلحت کو سمجھے، اور بے وجہ اس پر بوجھ نہ بنے۔

ذیل میں اولاً اختصار کے ساتھ ان اسباب وعوامل کو بیان کیا جاتا ہے جن کی بنیاد پر میزبان اور مہمان کے آداب کی تاکید وارد ہوئی ہے، پھر مہمان اور میزبان ہر دو کے آداب کا ذکر ہے:

☆ مہمان کا اکرام واحترام مکارمِ اخلاق کا ایک حصہ ہے، ہر دور کے شرفاء اس سلسہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔

امام اصمعیؒ فرماتے ہیں:

میں نے عنبسہ بن وہب دارمی سے مکارمِ اخلاق کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے عاصم بن وائل منقری کا یہ قول نہیں سنا:

وإنا لنقري الضيف قبل نزوله

ونشبعه بالبشر من وجه ضاحک

ہم مہمان کے ٹھہرنے سے پہلے ہی اس کی ضیافت کردیتے ہیں؛ ہم مسکرا کر خندہ پیشانی سے اس کی بھوک دور کردیتے ہیں۔(التذکرۃ الحمدونیۃ، ۲/۲۲۸)

حاتم طائی فرماتے ہیں:

وإنی لعبد الضيف ما دام ثاويًا

وما فيَّ إلا تلک من شيمة العبد

جب تک مہمان میرا ٹھہرا ہے میں اس کا غلام ہوں، میرے اندر بندگی کی بس یہی صفت پائی جاتی ہے۔(دیوان حاتم الطائی، ص ۹)

☆مہمان کا اکرام شعائر دین میں سے ہے، رسولِ پاک ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے، اور اس کا آنا خیر و برکت کا ذریعہ ہے

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه: قال: قلنا: إنک تبعثنا، فننزل بقوم لا يقرونا، فما ترى فيه؟ فقال: إن نزلتم بقوم، فأمر لكم بما ينبغي للضيف فاقبلوا، فإن لم يفعلوا فخذوا منهم حقّ الضيف. (صحیح البخاری، رقم ۲۴۶۱)

عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: ہم نے رسولِ پاک ﷺ سے عرض کیا کہ: آپ ہمیں (مختلف مقامات پر) بھیجتے رہتے ہیں، بسا اوقات ہمیں ایسے لوگوں کے پاس ٹھہرنا پڑتا ہے جو ہماری ضیافت تک نہیں کرتے، آپ کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے؟ (ہمیں کیا کرنا چاہیے؟) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم کسی قوم کے پاس ٹھہرو، پھر اگر وہ مہمان کی شایانِ شان میزبانی کا اہتمام کریں، تو اسے قبول کرلو، اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے تم اپنا حق لے سکتے ہو۔

عن أبي شريح الكعبي رضي الله عنه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفَه، جائزته يوم وليلة، والضيافة ثلاثة أيام، فما بعد ذلک فهو صدقة، ولا يحل له أن يثوي عنده حتى يُحرجه. (صحیح البخاری، رقم ۶۱۳۵)

حضرت ابوشریح کعبیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو اسے اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہیے، اس کی خاطر مدارات ایک دن رات ہے، اور میزبانی تین دن تک ہے، اور جو اس کے بعد ہو وہ صدقہ ہے؛ اور اس (مہمان) کے لیے جائز نہیں کہ اس کے پاس اتنا ٹھہرے کہ اس (میزبان) کو تنگ کردے۔

عن أنس بن مالک ﷺ قال: الخير أسرع إلى البيت الذي يُغشى من الشّفرة إلى سنام البعير. (سنن ابن ماجہ رقم ۳۳۵۶)

جس طرح چھری اونٹ کے کوہان کی طرف تیزی سے جاتی ہے، اس سے کہیں زیادہ تیزی سے بھلائی اس گھر میں آتی ہے جس میں مہمان کثرت سے آتے ہیں۔

نوٹ: اونٹ کے کوہان میں چربی ہی چربی ہوتی ہے، اسی وجہ سے چھری بہت جلد اس کی تہ تک پہنچ جاتی ہے، اور اسے کاٹ ڈال دیتی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: **قل إن ربي يبسط الرزق لمن يشاء من عباده ويقدر له، وما انفقتم**

من شیء فھو یخلفہ، وھو خیر الرازقین۔(سبا۳۹)

کہہ دو میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے، اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

وہ باتیں جن کا خیال کرنا ہر میزبان کے لیے ضروری ہے

☆ کسی بھی عمومی دعوت وتقریب میں اپنے اعزاء واقرباء، پڑوسیوں، دوستوں کو بلانے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، بعض لوگ ایسے مواقع پر دیگر ذی وجاہت لوگوں کو بلانے کا اہتمام تو کرتے ہیں، لیکن اپنے قریبی رشتہ داروں سے صرفِ نظر کرتے ہیں، اور ان کے جذبات کا خیال نہیں رکھتے، اور ان کو خاطر خواہ عزت نہیں دیتے، جس کی وجہ سے دوریاں پیدا ہوتی ہیں، اور تعلقات خراب ہوجاتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

ضیافت کے موقع پر اپنے رشتہ داروں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ایسا کرنے سے آپسی نفرت اور باہمی تعلقات خراب ہوتے ہیں، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دعوت دیتے وقت درجہ بندی کا خیال رکھا جائے، اگر بے وجہ بعض کو بعض پر ترجیح دی جائے گی، تو اس سے بھی دلوں کو ٹھیس پہنچے گی۔(إحیاء علوم الدین، ۲/۱۳)

☆ ایسے لوگوں کو بلانے پر اصرار نہ کرے جن کے لیے دعوت قبول کرنا مشکل ہو، مثلاً وہ لوگ جو بہت دور رہتے ہوں، یا کسی ذاتی پریشانی یا الجھن میں ہوں، البتہ اگر ان کی ناراضگی اور خفگی کا اندیشہ ہو تو بغیر اصرار کے دعوت دینا کافی ہے۔

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

ہم ایسے لوگوں کو نہیں بلاتے جو آنہیں سکتے۔(الآداب الشرعیة والمنح المرعیة، ۱/۲۹۵)

☆ اسی طرح ایسے شخص کو دعوت میں نہ بلائے جس کی بدر کرداری یا ترش روئی وغیرہ کی وجہ سے حاضرین کو گرانی ہوتی ہو، مثلاً وہ شراب نوش ہو، یا ظالم وجابر، اور کمزوروں کی حق تلفی کرنے والا ہو۔(جاری)

اسباقِ حدیث — دوسری قسط

’’استعاذہ‘‘ کی اہمیت وفضیلت

مولانا محمد جابر میواتی
استاذ شعبۂ تفسیر مظاہر علوم سہارنپور

’’استعاذہ‘‘ کی فضیلت واہمیت میں بیشمار احادیث مبارکہ وارد ہیں، اور موقع بموقع آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینکڑوں چیزوں سے اللہ تعالی کی پناہ چاہی ہے، جن کے الفاظ کتبِ حدیث اور ادعیۂ ماثورہ پر مرتب کتابوں میں موجود ہیں، اختصار کے پیشِ نظر حسبِ ضرورت مختصر تشریح کے ساتھ ان اشیاء کو درج کیا جاتا ہے:

جَهْدُ الْبَلَاء. دینی یا دنیوی بلاؤں کی مشقت سے۔

دَرَكُ الشَّقَاء. دنیا وآخرت کی بدبختی کی پکڑ سے۔

سُوءُ القضاء. دین ودنیا کی ہر چیز میں بری تقدیر سے۔

شَماتةُ الْأَعْدَاء. ایسی مصیبت سے جس پر دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع ملے۔

غَلَبَةُ العَدُوّ. دینی یا دنیوی دشمن کے غلبہ اور اس کے قبضہ وتسلط سے۔

غَلَبَةُ الرِّجال. لوگوں کے غلبہ وتسلط اور ان کے قہر وغضب سے، جیسا کہ دوسری روایت میں ’’قهر الرجال‘‘ ہے، تاکہ اپنی جان، مال، عزت اور آبرو محفوظ رہے۔

سُوءُ الأخلاق. برے اخلاق سے، جس میں اہلِ حقوق اور قرابت داروں کو تکلیف دینا، کسی سے بدگوئی کرنا، تحمل وبرداشت نہ کرنا، اور تمام بری عادتیں داخل ہیں۔

مُنكَراتُ الأخلاق. ان باتوں سے جو شرعاً وعرفاً بری سمجھی جاتی ہیں، جیسے: حسد، کینہ، بزدلی، تکبر وغیرہ۔

مُنكَراتُ الأعمال. ان کاموں سے جو شرعاً وعرفاً برے ہیں، جیسے: قتل، زنا، شراب نوشی، چوری وغیرہ۔

وَعْثاءُ السفر. سفر کی مشقت اور دشواریوں سے۔

كآبَةُ المَنظَر. ہر ایسے منظر اور صورت حال سے جو غم اور ملال کا باعث ہو۔

سُوءُ المُنقَلَب في المالِ والأهلِ. اپنے مال واہل میں بری اور تکلیف دہ تبدیلی سے، مثلاً ان کو

کوئی نقصان ہوجائے، یا کوئی بیماری ہوجائے، یا اچانک کسی کی وفات ہوجائے۔

الحَوْر بعد الكَوْر. مال وحالت میں زیادتی کے بعد کمی سے، مثلاً: مالداری کے بعد فقر، اور صحت کے بعد مرض، اور اچھی دینی حالت کے بعد بری حالت۔ یا اتفاق واتحاد کے بعد افتراق واختلاف۔ یا کاموں میں درستگی کے بعد فساد۔

دَعوة المَظلوم. ظلم، اسبابِ ظلم، اوراس ظلم کی وجہ سے ہونے والی مظلوم کی بددعا سے، کہ جس بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔

ضيق الدنيا. دنیا کی مشکلات اور پریشانیوں سے، مثلاً: مرض، قرض، ظلم وغیرہ۔ یا اس سے دل کی وہ تنگی مراد ہے جو کہ دنیا کی فکر میں پڑنے سے ہوجاتی ہے۔

ضيق المَقامِ يوم القِيامة. قیامت کے دن کی تنگی سے، جو کہ اس دن کی ہولناکی وخوفناکی سے ہوگی، جو سب سے زیادہ سخت اور مشکل ترین تنگی ہے۔

عَيْن الإِنْسَان. انسانوں کی نظر لگنے سے۔ اس سے بچنے کا علاج ''معوذتین'' کا اہتمام ہے۔

جُبّ الحُزْن. یہ جہنم کی ایک وادی یا کنواں ہے جس میں غم ہی غم ہوگا، جیسا کہ ''دارالسلام'' کے نام سے جنت میں ایک وادی ہے جس میں فرحت ہی فرحت ہوگی۔

عُقوق الْأُمَّهات. ماں باپ کی نافرمانی سے، بطور خاص ماں کو اس کی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے ذکر کیا، کیوں کہ باپ کے مقابلہ میں ماں کی اطاعت کا زیادہ حکم اور حق ہے۔

وَأْد الْبَنات. بیٹیوں کے قتل سے، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا، آج بھی بہت سے لوگ بیٹی کو عیب اور کلنک سمجھ کر اس کو ختم کرنے کی طرح طرح کی ترکیبیں کرتے ہیں، وہ سب اس میں داخل ہیں۔

مَنْع وَهَات. بخل اور مانگنے سے۔ یعنی خود تو اپنے مال میں کنجوسی کرے، کسی سائل اور حاجتمند کو نہ دے، اور دوسروں سے مانگتا رہے۔ یا یہ کہا جائے کہ جس چیز کا دینا لازم ہے اس کو روک کر رکھے، اور جس چیز کا لینا اس کے لیے جائز نہیں اس کو لینے کی فکر کرے۔

كَساد الْأَيامَى. بے نکاحی (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) عورتوں کی طرف بے رغبت ہونے سے، کہ ان سے کوئی نکاح کرنے کے لیے تیار نہ ہو، اس کی وجہ سے اس کے زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی کو

ایک دوسری روایت میں ’’بُوار الأیِم‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ذَاتَ الجَنْب. یہ ایک بیماری ہے، جو کہ پیٹ میں پھوڑے کی وجہ سے ہوتی ہے، جو عموماً مہلک اور موت تک پہنچانے والی ہوتی ہے، جیسے آج کل کینسر۔

أَکْلِ السَّبع. کسی درندے کے پھاڑ کھانے سے۔

مَوْت الْفَجْأَة. یعنی بغیر کسی ظاہری سبب کے اچانک موت سے، جو کہ کافر اور فاجر وفاسق کے لیے اللہ کی پکڑ کی علامت ہے۔

رَأْس السَّبْعِین. یعنی ایسا فتنہ جو ہجرت سے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ستر سال بعد ہوگا، اسی وقت شہادتِ حضرت حسینؓ اور واقعہ حرّہ وغیرہ بڑے بڑے فتنے رونما ہوئے۔

إِمْرَة الصِّبْیَان. بچوں کی حکومت سے، جو کہ دین ودنیا ہر لحاظ سے نقصاندہ ہوتی ہے۔

زَوْجَة سَوْء. بری بیوی اور شریکِ حیات سے، جو انسان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے، حدیث میں اس کی دو پہچان بھی بتلائی گئی ہیں۔ ۱- جب شوہر گھر میں آئے تو اس سے زبان درازی کرے ۲- اور جب باہر جائے تو اس کے ساتھ مال یا آبرو میں خیانت کرے۔

إِمَام سَوْء. برے امام اور مقتدا سے، حدیث میں اس کی بھی دو پہچان بتلائی گئی ہیں۔ ۱- اگر اس کے ساتھ بھلائی کرو تو اس کو قبول نہ کرے ۲- اور اگر اس کے حق میں کچھ کمی ہوجائے یا اس کی کوئی بے ادبی ہوجائے تو اس کو معاف نہ کرے۔

جارِ سَوْء. برے پڑوسی سے، جو کہ انسان کے معاشرتی سکون کو ختم کردیتا ہے، حدیث میں اس کی بھی دو علامتیں بتائی گئی ہیں ۱- اگر تمہارے کسی اچھے کام یا اچھی عادت پر مطلع ہو تو اس کو چھپائے ۲- اور اگر تمہاری کوئی بری بات یا غلطی ہاتھ لگ جائے تو اس کو پھیلائے۔

شَتَات الأَمْر. کاموں کے منتشر ہوجانے اور معاملہ بے قابو ہوجانے سے، جو کہ ذہنی الجھن پیدا کرتا ہے۔

عذاب القَبر. عذابِ قبر اور اس کی سختیوں سے۔

فِتنة القَبْر. قبر کے سوالات اور ان کی سختی سے، اور منکر نکیر کے سوالات کے جوابات نہ دے پانے

سے۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے، صرف مضبوط ایمان والا ہی اس وقت ثابت قدم رہ سکتا ہے۔

عذاب النار۔ یعنی جہنم کے ہر طرح کے عذاب سے، انہی میں سے آگ کا عذاب بھی ہے۔

فِتنة النار۔ یعنی ایسے فتنہ سے جو جہنم میں جانے کا سبب بنے۔

فِتنة الصَّدُر۔ دل کے فتنے سے، یعنی دل کا مردہ ہو جانا اور اسکا فساد، جس میں قساوتِ قلبی، دل کی تنگی، حبِ دنیا، وساوس، حسد، بغض، کینہ وغیرہ، اوراسی طرح باطل اور غلط عقائد اور برے خیالات سب داخل ہیں۔

فِتنة المشرق۔ مشرق کے فتنے سے۔ اہلِ مشرق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فارسی تھے جو لامذہب اور سرکش تھے، کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے۔ اور دجال و یاجوج و ماجوج بھی مشرق سے ہی نکلیں گے۔

فِتنة الدنیا۔ دنیا کے فتنے سے، یعنی دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں، جو انسان کے دین کے لیے مضر ہوتی ہوں، اور ایسا مال ودولت جو کہ سرکشی ونافرمانی کا سبب بنے، اور آخرت سے غافل کردے۔ اور بعض راویانِ حدیث نے اس کی تفسیر فتنۂ دجال سے کی ہے کیونکہ وہ مادیت کا سب سے بڑا نمونہ اور دنیا کا سب سے خطرناک فتنہ ہوگا۔

فِتنة المَحیا و الممات۔ زندگی کے تمام فتنوں سے، مثلاً بغیر صبر کے آزمائش، گناہوں پر بلا خوف اصرار، ان کے علاوہ وہ تمام دنیوی فتنے جن کا ذکر متفرق طور پر آچکا۔ اور موت کے فتنے سے مثلاً: شیطان کے وہ وساوس وخیالات جو وہ موت کے وقت دل میں ڈالتا ہے، اور موت کے وقت کلمہ نصیب نہ ہونا، یا موت کے بعد قبر وغیرہ کے فتنے مراد ہیں۔ (جاری...)

خریدار حضرات سے

خریدار حضرات کے پتوں کی سلپ پر مدت خریداری کی اطلاع درج ہے۔ اگر مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہوتو زرتعاون/ 300 روپئے سالانہ کے حساب سے ارسال فرمائیں۔ (ادارہ)

تبرکات

ملفوظات

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی

معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

ارشاد فرمایا : کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی عطاء ہے، اور عطاء پر انسان کو ناز نہ کرنا چاہئے، جب چاہیں نکال باہر کریں پھر ناز کیسا؟ ہاں! شکر کرو۔

اہل اللہ کو چونکہ نعمت کی حقیقت زیادہ معلوم ہے اس لئے ان کو نعمت پر شکر زیادہ ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ان کی زیادہ نظر منعم پر ہوتی ہے وہ ہر نعمت کو اپنے استحقاق سے زیادہ سمجھتے ہیں اس لئے وہ موجود پر راضی رہتے ہیں اور مفقود پر نظر نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے شکایت کی کہ مجھے افلاس زیادہ ہے۔تو بزرگ نے فرمایا میاں! اگر دل میں اطمینان ہو، بدن میں کوئی مرض نہ ہو، ایک دن کا کھانے کو ہو، اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔اسی لئے اللہ والوں کی شان یہ ہے کہ اگر مل گیا تو شکر نہ ملا تو اسکو بھی نعمت سمجھ کر صبر۔

ارشاد فرمایا : نعمت کی تحقیر کا کسی کو کیا حق ہے۔نعمت وہ چیز ہے کہ ہمارے یہ سارے لمبے چوڑے دعوے کمالات کے اور سارا طنطنہ جبھی تک ہے جب تک انہوں نے (اللہ نے) اپنی نعمت سے نواز رکھا ہے ورنہ ایمان کا سنبھلنا بھی مشکل تھا۔

ارشاد فرمایا: انسان کو چاہئے کہ کام میں لگے اور بے نتیجہ فکروں میں نہ پڑے، میرا مطلب یہ ہے کہ آگے چلنے کی فکر کرے، بے نتیجہ خیالات میں وقت صرف نہ کرے، اعمال میں وقت صرف کرے۔ انسان مکسوب اور اختیاری اعمال کا مکلف ہے چنانچہ ارشاد باری ہے **للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن و سئلو االلہ من فضلہ ان اللہ بکل شئی علما۔**

مردوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے

اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

ارشاد فرمایا :ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا کہ آج کل کیا کرر ہے ہوتو اس نے کہا کہ توکل کی مشق کرر ہا ہوں تو بزرگ نے فرمایا میاں! ساری عمر پیٹ ہی کے دھندے میں رہو گے؟ یعنی توکل کی مشق کا مقصود یہی تو ہے کہ پیٹ سے بےفکری ہوجائے۔اصل چیز میں کب لگو گے؟ بس توکل اختیار کرو مشق ہو یا نہ ہو۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ: جس قدر الفت ومحبت بڑھتی ہے اسی قدر تکلف جاتا رہتا ہے اور یہ بے تکلفی اور دل کا ملنا شرط اعظم ہے نفع باطن کیلئے۔مگر اکثر لوگوں کو ان باتوں کی خبر ہی نہیں۔

ارشاد فرمایا : جس قدر غیر مسلم اقوام ہیں سب نے اسلام کے اصول لے لئے ہیں۔راحت اٹھارہے ہیں اور مسلمانوں نے چھوڑ دئے، پریشان ہیں،تکلیف اٹھارہے ہیں۔

ارشاد فرمایا:اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت میں ان کی دعاء میں ،ان کی نصیحت میں نور اور برکت ہوتی ہے۔دہلی میں جو حکیم نابینا ہیں (مولانا حافظ حکیم عبدالوہاب غازی پوری اس وقت حیات تھے)ان کی نباضی مشہور ہے۔اس کا قصہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے عرض کیا تھا کہ حضرت میں نابینا ہوں۔بجز نبض کے اور علامات کا مشاہدہ نہیں کرسکتا نبض شناسی کی دعا کر دیجئے۔ آپ (حضرت گنگوہیؒ) نے نبض کیلئے دعاء فرمادی۔جس میں ان کا کمال مشاہد ہے (نظر آرہا ہے) تو یہ اس دعاء کی برکت ہے۔

ارشاد فرمایا: کہ بعض کہتے ہیں کہ لوگ طعنے دیتے ہیں تو فرمایا کہ تم طعنے سے بچنا چاہتے ہو یا گناہ سے؟ طعنے تو نبیوں کو بھی دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کو دیتے ہیں صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کو دیتے ہیں۔تم بیچارے تو کیا ہو۔

ارشاد فرمایا: کہ ایک صاحب نے کہا کہ مولویوں کی حافظوں کی کوئی وقعت نہیں کرتے، فرمایا کہ تو اس سے کیا ضرر ہے؟ عرض کیا کہ حضرت دنیا کی عزت کی بھی تو ضرورت ہے۔فرمایا کہ اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔طبیب صحت کی تدبیر کرتا ہے یہ نہیں کی کُشتی گری کا بھی ذمہ دار ہے کہ ایسا علاج کروں گا کہ تو کسی سے بھی مار نہ کھائے گا۔

واقعات افتاویٰ

فتاویٰ مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری

نائب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بچوں کے نام اچھے رکھیں:

بچہ کی پیدائش پر اس کا حق ہے کہ اس کا کوئی اچھا اور بامعنی نام رکھا جائے، اور وہ نام ایسا ہو کہ جس کو سنتے ہیں بچہ کے مسلمان ہونے کا علم ہو جائے، یہ بچہ کا اولین حق ہے، خواہ بچہ زندہ رہے یا پیدا ہوتے ہی مرجائے، بلکہ فقہائے کرام کی صراحت کے مطابق اگر بچہ مردہ پیدا ہو تب بھی اس کا نام رکھا جائے، پھر تدفین وغیرہ کی جائے: ومن ولد فمات يغسل ويصلى عليه وير ث ويورث ويسمى ان استهل... والا يستهل غسل وسمى عند الثاني وهو الاصح الخ (الدر المختار مع رد المحتار ۱/۵۹۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ نام اچھے اور بامعنی رکھے جائیں، کسی کا اگر کوئی نام ازروئے معنی درست نہ ہوتا تو آپ اس کو تبدیل فرما دیتے، اس لئے کہ نام کا بھی اثر ہوتا ہے۔

(ملاحظہ ہو: ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الاسماء)

لہٰذا بچہ کی پیدائش کے بعد اہل علم وصلاح کے مشورہ سے بچہ کا نام تجویز کرنا چاہئے، جو لوگ انٹرنیٹ وغیرہ کی مدد سے ازخود نام تجویز کر لیتے ہیں وہ بسا اوقات مہمل بلکہ غلط و ناگوار معنی والا نام رکھ لیتے ہیں، یہ طرز عمل قابل اصلاح ہے۔

بیماری میں گوشت یا بکرے کا صدقہ:

احادیث مبارکہ میں مرض وغیرہ کے علاج کے لئے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: داووا مرضاكم بالصدقة۔ (طبرانی و بیہقی)

یہ صدقہ کرنے کا حکم عام ہے، اس میں کسی چیز کی تخصیص ثابت نہیں ہے، البتہ فقہائے کرام نے نقد روپیہ اور مروجہ کرنسی کے تصدق کو اولیٰ فرمایا ہے، اس لئے کہ اس سے فقراء کی ضرورت بہتر طریقہ سے

پوری ہو سکے گی: وكان الفقيه ابو جعفر علیہ الرحمۃ يقول :إن اداء القيمة افضل، لأنه اقرب على منفعة الفقير فانه يشتري به للحال مايحتاج اليه (المبسوط للسرخسی ۴/۱۴۱)

ایسے موقعہ پر عوام میں گوشت یا بکرے کا صدقہ مروج ہے، جس میں عمل وعقیدہ کی رو سے بہت سی خرابیاں ہیں، عمل کی خرابی یہ ہے کہ کہ یہ "التزام مالایلزم" ہے، عقیدہ کی خرابی یہ ہے کہ اس کو مرض وغیرہ کے دفعیہ میں مؤثر سمجھا جاتا ہے، بعض لوگ اس میں سیاہ رنگ کا بھی اضافہ کر لیتے ہیں، جبکہ اس سب پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، لہٰذا ایسے مواقع پر گوشت یا بکرے کے صدقہ کا التزام شرعا درست نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی ۳/ ۵۷۰)

سفر حج کے دوران شوہر کے انتقال کا حکم:

سفر حج کی منظوری آجانے کے بعد یا سفر حج شروع ہو جانے کے بعد اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو چند صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے، جو درج ذیل ہے:

(الف) سفر حج شروع ہونے سے قبل اپنے مقام پر شوہر کا انتقال ہو جائے، اس صورت میں بیوی کے لئے سفر حج ملتوی کر کے اپنے گھر میں عدت گذارنا لازم ہے۔

(ب) سفر حج شروع ہونے کے بعد شوہر کا انتقال ہو، مگر ایسی جگہ انتقال ہو کہ وہاں سے اپنے شہر کی مسافت: مسافت سفر (سوا ستتر کلومیٹر) سے کم ہو، اس صورت میں بھی سفر ملتوی کر کے اپنے شہر واپس آ کر عدت گزارنا لازم ہے۔

(ج) سفر حج شروع ہو کے بعد شوہر کا انتقال ایسی جگہ ہو کہ وہاں سے اپنا شہر بھی مسافت سفر پر ہو اور مکہ مکرمہ بھی مسافت سفر پر ہو، اس کے حکم میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ اس کے قائل ہیں کہ اس صورت میں بھی سفر حج ملتوی کرنا ضروری ہے، پھر اگر انتقال کی جگہ عدت گذارنا ممکن ہو، مثلاً وہاں اس کے اعزہ واقرباء رہتے ہوں تو عدت وہیں گذاری جائے گی اور اگر وہاں نظم ممکن نہ ہو تو گھر آ کر عدت مکمل کی جائے، اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ عورت سفر حج جاری رکھ سکتی ہے بشرطیکہ کوئی محرم ساتھ ہو، امام صاحب کا قول احوط ہے۔

(د) سفر حج شروع ہونے کے بعد شوہر کا انتقال ایسے مقام پر ہو کہ وہاں سے اپنا شہر تو مسافت سفر پر ہو مگر مکہ مکرمہ مسافت سفر پر نہ ہو، یا مکہ پہنچنے کے بعد شوہر کا انتقال ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اس صورت میں بیوہ اپنا سفر جاری رکھے اور افعال حج انجام دے، پھر حج سے واپسی کے بعد اگر عدت کا وقت باقی ہو تو اس بقیہ وقت کو عدت کے احکام کی پابندی کے ساتھ گذارے، نیز حج کی ادائیگی اور مکہ مکرمہ کے قیام کے

دوران بھی حتی الامکان عدت کی پابندیوں کا خیال رکھے،مثلا: بلاضرورت رہائش گاہ سے نہ نکلے، زیب و زینت سے پرہیز کرے وغیرہ۔ (بدائع الصنائع ۲/۳۰۱،انوار مناسک ص ۱۸۱)

پیشگی رقم کی وجہ سے کرایہ میں کمی کا حکم:

مکان ودوکان وغیرہ کے کرایہ کے معاملہ میں مالک: کرایہ دار سے بسااوقات کرایہ کے علاوہ کچھ پیشگی رقم لے کر کرایہ عام معمول سے کم کردیتا ہے،اس کا حکم یہ ہے کہ :

(الف) اس پیشگی رقم کی اگر معاملہ کے ختم پر واپسی ہو تو پھر یہ پیشگی رقم قرض شمار ہوگی، لہٰذا ایسی صورت میں عام معمول سے کم کرایہ مقرر کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ **کل قرض جر منفعة فهو ربا** کے ضابطہ کے تحت سود قرار پائے گا: **والآخر ان يجر الى نفسه منفعة بذلك القرض او تجر اليه وهو أن يبيعه المستقرض شيئا بارخص مما يباع او يؤجره او يهبه هبة... ولو لم يكن ذلك هذا القرض لما كان ذلك الفعل فان ذلك ربا**۔ (نتف فی الفتاوی ص ۲۹۶)

(ب) یہ پیشگی رقم کرایہ کی مد میں ہو،یعنی کرایہ میں وضع ہو اور واپس نہ ہو،اس صورت میں چونکہ یہ رقم اجرت وکرایہ کی مد میں ہے نہ کہ قرض،اس لئے اگر اس صورت میں کرایہ عام معمول سے کم طے کیا جائے تو یہ جائز ہوگا، اور سود شمار نہیں ہوگا: **يجوز للمؤجر أن ياخذ من المستاجر مقدارا مقطوعا من المال يعتبر كاجرة مقدمة بسنين معلومة وهذا بالاضافة إلى الأجرة السنوية او الشهرية وتجرى على هذا المبلغ المأخوذ احكام الأجرة باسرها الخ**۔ (بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ ص ۱۱۵)

سیاہ کپڑے پہننے کا حکم:

مرد وعورت ہر دو کے لئے سیاہ کپڑا پہننا جائز ہے،خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر سیاہ کپڑا زیب تن فرمایا ہے، اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے بھی سیاہ کپڑا پہننے کو مستحب قرار دیا ہے، البتہ اظہار غم کے لئے سیاہ کپڑا پہننا درست نہیں ہے کہ یہ التزام مالا یلزم ہے،اسی طرح ماہ محرم میں چونکہ روافض اظہار ماتم کے لئے سیاہ کپڑا پہنتے ہیں اس لئے ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے ماہ محرم میں بھی اس کے پہننے سے گریز کیا جائے: **وندب لبس السواد... لأن محمدا رحمه الله ذكر في السير الكبير في باب الغنائم حديثا يدل على ان لبس السواد مستحب**۔ (تبیین الحقائق ۶/۲۲۸)

اخبار مظاہر

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مکاتب دینیہ کے طلبہ کا مسابقہ

مجلس شوریٰ سرپرستان کی تجویز کے مطابق مظاہرعلوم سہارنپور کے زیر انتظام جاری مکاتب دینیہ کے طلبہ کے انعامی مسابقہ کی تاریخیں گذشتہ ماہ طے ہوچکی تھیں اوراس کے لئے ساری تیاریاں بھی جاری تھیں کہ پنجاب وہریانہ اور ہماچل میں زبردست بارش اور سیلابی صورت حال کی وجہ سے ان تاریخوں میں تغیر کرکے اب ۶/و۸/و۱۳/اور ۲۰/اگست ۲۰۲۳ء کی تاریخیں مقرر ہیں،تمام تیاریاں مکمل ہیں،ان شاء اللہ یہ مسابقے کل سات سینٹروں پر مختلف تاریخوں میں منعقد ہونگے اور طلبہ کو مظاہرعلوم کی جانب سے تشجیعی انعامات دیئے جائیں گے،آخری اور فائنل مسابقہ ان شاء اللہ ۳۱/اگست ۲۰۲۳ء کو مظاہرعلوم سہارنپور میں منعقد ہوگا جس میں حضرات اکابر کے ہاتھوں تمام سینٹروں پر پوزیشن والے طلبہ کو (نقد اور اشیاء) انعامات دیئے جائیں گے۔

علوم حدیث کے نامور عالم کی تشریف آوری

حدیث شریف کے حوالے سے مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور کی خدمات نے اپنی تاریخ کے ہر دور میں دنیائے علم وتحقیق سے خراج تحسین حاصل کیا ہے،خدماتِ حدیث کے اسی دائرہ کو اور وسعت دینے اور اس فن کے رجال کار کی مزید تیاری کے لئے مظاہرعلوم میں ’’تخصص حدیث شریف‘‘ کے نام سے باضابطہ ایک شعبہ قائم ہے،مظاہرعلوم سہارنپور کے امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی کی خصوصی دعوت پر عالم اسلام کی مشہور علمی شخصیت مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث خیرآبادی پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا کی تشریف آوری ہوئی،ان کے استقبال میں ایک علمی مجلس کا انعقاد جامعہ کے امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی کی صدارت میں منعقد ہوا،مدرسہ کے استاذ تجوید وقراءت مولانا قاری مسعود احمد کی تلاوت سے اس اجلاس کا آغاز ہوا،نظامت شعبۂ صحافت کے ذمہ دار مولانا عبداللہ خالد قاسمی نے کی،اس کے بعد مشہور اسلامی اسکالر مولانا ضیاء الحق خیرآبادی نے مولانا ڈاکٹر خیرآبادی کا تعارف پیش کیا اس کے بعد جامعہ کے تخصصات اور تکمیلات کے تمام طلبہ واساتذہ کے درمیان

مولانا خیر آبادی کا نہایت ہی قیمتی علمی محاضرہ "تخصص حدیث؛ مقصد و منہج" کے عنوان پر ہوا۔

مہمان محترم نے کہا کہ علوم حدیث میں درک و مہارت حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ شریعت کا وہ ماخذ ہے، جس طرح سے قرآن کریم سے اسلامی احکامات ثابت ہوتے ہیں، احادیث سے ان احکامات کی تشریح و توضیح ہوتی ہے، علومِ حدیث کی جو بہت ساری فروعات اور قسمیں ہیں مولانا نے ان سب کو بیان کیا اور علمی حوالہ جات سے اس سلسلہ کی مستند کتابوں کی جانب طلبہ کی رہنمائی کی، مولانا خیر آبادی نے طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے کہا کہ آپ علوم حدیث میں خوب مہارت پیدا کریں تا کہ اس فن کے ذریعہ آپ لوگ دین وملت کی ضروریات کو پورا کرسکیں اور اس کے لئے خوب محنت اور جدو جہد کریں اس لئے کہ کسی بھی میدان میں انسان کو ترقی بغیر محنت اور سچی لگن کے نہیں ملتی۔

اس علمی مجلس کے صدر محترم اور جامعہ کے امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے مولانا خیر آبادی کی جامعہ میں تشریف آوری پر ان کا استقبال کیا اور کلماتِ تشکر پیش کرتے ہوئے طلبہ سے کہا کہ آپ سب جن علوم وفنون کی تحصیل کررہے ہیں ان میں اتنی محنت اور دلسوزی کریں کہ آپ اس فن میں ممتاز اور متخصص بن جائیں، یہی مظاہر علوم سے نسبت کا حاصل ہوگا۔

اس اہم علمی اجلاس میں جامعہ کے نائب ناظم مولانا مفتی سید محمد صالح کے علاوہ جامعہ کے تخصصات اور تکمیلات کے سبھی اساتذہ موجود تھے۔ صدر اجلاس کی دعا پر اس علمی مجلس کا اختتام ہوا

صدر مسلم پرسنل لا کا ورود مسعود

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا صدر بننے کے بعد پہلی مرتبہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مظاہر علوم تشریف لائے، مظاہر علوم کے امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی سے خصوصی ملاقات کی، مولانا رحمانی کی مظاہر علوم میں آمد کا مقصد رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا سید محمد شاہد الحسنی سے ملاقات اور ان کو دو اہم پروگراموں میں شرکت کی دعوت دینا تھی جو عنقریب المجمع الفقہ الاسلامی حیدر آباد کی جانب سے منعقد ہونگے ،مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے ان دونوں پروگرام میں شرکت کی منظوری دی۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.

URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



Rs. 30/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542

E-Mail: jamiamazahir@gmail.com

Printed By: AL-FAZL Computer +91-9359209995